11

ماہنامہ

تجلّی

دیوبند

ایڈیٹر: عامر عثمانی

خدا کی راہ میں خرچ کرنا
در اصل خرچ کرنا نہیں بلکہ جمع کرنا ہے

تاریکیوں میں ایک چراغ

1/50

سالانہ
15/-

ماہنامہ
تجلی
دیوبند

تیئیسویں ۲۳ سال کا چوتھا شمارہ

ایڈیٹر
عامر عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر

اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچے پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی ساڑھے سولہ روپے ۱۶/۵۰ کا ہوگا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے)

امریکہ۔ نائیجیریا۔ کنیڈا۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ بیلجیم۔ انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو ۲ پونڈ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ ▲ بحرین۔ (افریقہ۔ سعودی عرب۔ قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ اور دس شلنگ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ
▲ پاکستان سے فی الحال کچھ نہیں ▲ ہندوستان سے پندرہ روپے۔

فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۷۱ء

احوال واقعی	ادارہ	۴
آغاز سخن	عامر عثمانی	۵
تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	۱۵
شرح صحیح مسلم	عامر عثمانی	۱۹
درس حدیث	مولانا مودودی	۲۵
کیا ہم مسلمان ہیں	شمس نوید عثمانی	۳۷
بہتان تراشی کی مہم	مریم جمیلہ	۴۱
مریم جمیلہ اور مولانا مودودی	مترجم شمس نوید عثمانی	۴۳
مولانا مودودی کی مجلس	(ایشیا)	۴۸
جماعت اسلامی اور صوفی نذیر احمد	عامر عثمانی	۵۱
دو ۲ غلام	ترجمہ مصطفیٰ اکمل	۵۷
قصہ یحییٰ خاں کی گرفتاری کا	ملا ابن العرب مکی	۶۰
علم و حکمت کے موتی	(شاہ عبدالقادر جیلانی رح)	۶۷
مسجد سے میخانے تک	ملا ابن العرب مکی	۶۹
کھرے کھوٹے	عامر عثمانی	۸۳
دیکھ رہا ہوں (نظم)	ماہر القادری	۹۵
حمد و غزل	مختلف شعراء	۹۶

ڈیڑھ روپیہ

سالانہ : پندرہ روپے

پرنٹر و پبلشر عامر عثمانی ... دیوبند

IDEAL BOOK CENTRE
آئیڈیل بک سنٹر
AVENUE ROAD BANGALORE

احوال واقعی

مشورہ طلب اُمور کے جواب میں جن مشوروں سے بے شمار قارئین نے ادارے کو نوازا ان کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ اور مسرت اور فخر کی بات یہ ہے کہ ننانوے فی صد حضرات نے صفحات اور قیمت کے اضافے کو اپنے دل کی آواز قرار دیا اور انھیں اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد پیش کرنے کے سلسلے میں ادارہ اپنے حوصلے ضرور نکالے خواہ قیمت میں کتنا ہی اضافہ کرنا پڑے۔ الحمد للہ فالحمد للہ۔ ہم ان کی خواہش کے احترام اور اپنے حقیر جذبہ خدمت کے پیش نظر اسی ماہ سے مستقل صفحات ۹۶ کئے دے رہے ہیں اور سالانہ چندہ پندرہ روپے تجویز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔

"مسجد سے میخانے تک" کے بارے میں مشوروں کی نوعیت تادم تحریر ایسی نہیں کہ قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔ اتنا تو بہر حال معلوم ہوا کہ ملّا کو تجلی کے صفحات میں دیکھنا تقریباً تمام ہی قارئین ضروری خیال کرتے ہیں۔ ویسے کچھ افراد کی رائے یہ بھی ہے کہ تجلی جیسے دینی و علمی پرچے کے لئے ملّا کی غیر ثقہ تحریریں باعث ننگ ہیں۔

خیال اپنا اپنا نظر اپنی اپنی

اگر ایسی رائے رکھنے والوں کا اوسط ایک فیصد بھی ہوتا تو ہم ملّا کی معزولی کے امکانات پر غور کر سکتے تھے مگر اوسط ایک بٹا دس فیصد بھی نہیں لہٰذا جمہوریت کے موجودہ دور میں اس رائے کو قابلِ التفات تصور کرنا مشکل ہی ہے۔ ویسے ملّا کا فن اگر صرف مزاح برائے مزاح یا طنز برائے طنز کا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ اس کی چھٹی پر غور کیا جا سکتا لیکن جو افادیت اور مقصدیت اس کے فن میں ہمیشہ جاری و ساری رہی ہے وہ بے قیمت نہیں۔ اس کی ناقدری ایک نعمت خداوندی کی ناقدری ہو گی لہٰذا القدریہ کا فیصلہ یہی ماننا پڑے گا کہ ملّا اپنی تمام نالائقیوں اور شرارتوں کے ساتھ ہم سب کے سروں پر مسلّط رہے۔

زیادہ قارئین کی رائے یہ ہے کہ ملّا کے جاری افسانے کا نمبر ہی نکال دیا جائے لیکن دشواری اسمیں یہ نظر آ رہی ہے کہ اس افسانے کی کئی قسطیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب بقیہ حصّہ کو نمبر کی شکل میں چھاپا جائے تو یہ نمبر اپنی جگہ ادھورا رہے گا اور نئے قارئین مشکل میں پڑ جائیں گے۔ لہٰذا نمبر کا معاملہ کسی اور وقت کیلئے چھوڑ کر روش یہ اختیار کی جا رہی ہے کہ جب تک یہ طویل کہانی قسطوں میں پوری ہو ملّا کا ایک اور مضمون بھی شامل اشاعت کیا جاتا رہے۔ چنانچہ اس بار "قصۂ یحییٰ خاں کی گرفتاری کا" پیش خدمت ہے۔ ہمیں یقین ہے یہ مضمون اپنی معنوی لطافتوں کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل سمجھا جائے گا۔ کاش ملّا میں کچھ عقل ہوتی تو وہ کچھ زیادہ ڈھنگ کی چیزیں لکھا کرتا مگر اس گدھے کا کہنا یہ ہے کہ جو تھوڑی سی عقل اس کے کاسۂ سر میں موجود تھی وہ بھی روز افزوں گرانی کی مار سے ایک ٹن یومیہ کے اوسط سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کھوپڑی میں خلا کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا —— اب بتائیے۔ ان واہی باتوں پر کون اس کا سر پھوڑے۔

یہ سنکر آپ کو شاید پریشانی ہو گی کہ پیران کلیر کے سلسلے میں وہ اگلی بار ایک نظم لا رہا ہے۔ ارادہ تو اس کا مضمون ہی لانے کا تھا کیونکہ کلیر کا عرس ابھی مئی میں ہی ہو چکا ہے مگر ہم نے ڈانٹ کر اسے روکا۔ رُک تو گیا مگر اس شرط پر کہ مضمون نہیں تو نظم لکھوں گا۔ آخر کیوں لکھو گے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ جذبات سینے میں بھر گئے ہیں۔ اگر خارج نہ کئے گئے تو سینہ پھٹ جائے گا۔ ایسی بیہودہ منطق سے کون سر مارے۔ نتیجہ یہ کہ اگلے شمارے میں آپ کو اس کی نظم "زنانِ عاشقانِ اولیاء" ہضم کرنی پڑے گی۔ تہہ بلا برجانِ قارئین!

بہن منورما دیوان نے کیا کہا

مولوی اسعد میاں نے پھول برسائے

آغازِ سخن

ہمارے دیس میں جہاں ایسے صحافیوں کی کثرت ہے جو واقعات و حقائق کو اپنی خاص عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں وہاں ایسے صحافی بھی نایاب نہیں جن کا مشاہدہ کسی نہ کسی حد تک بے لاگ کہا جا سکتا ہے۔

صحافیوں کی اس دوسری قسم میں ایک خاتون صحافی منورما دیوان ہیں جن کے متعدد مضامین پچھلے چند مہینوں میں نظر سے گذرے اور ان کے مطالعہ نے یہ تأثر دیا کہ منورما دیوان کا نہ صرف زاویۂ نظر بڑا غنیمت ہے بلکہ ان میں یہ اخلاقی جرأت بھی ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اسے صفائی کے ساتھ کہہ دیں۔

اس کا ایک نمونہ ذیل کے اقتباس میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اقتباس ان کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے جس کا عنوان تھا:۔ "بنگلہ دیش۔ ایک سبق۔ ایک چیلنج"۔۔۔ یہ مضمون ماہ اپریل ۱۹۷۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ وہ لکھتی ہیں:۔

"آج جو لوگ اتنے جوش کے ساتھ مشرقی پاکستان کے مظلوم عوام کے لئے ہمدردی دکھا رہے ہیں ان پر اس وقت سکتہ اور غنودگی کیوں طاری رہتی ہے جب اپنے ملک میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں اقلیتی عوام یعنی مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس وقت انسانیت کے یہ پجاری ان حرکتوں پر محض گھمنڈ ہی نہیں کرتے بلکہ اسے جائز بھی کہتے ہیں اگر ہمارے ملک کی یہ مخالف جماعتیں صرف انسانیت کے نام اور جذبے سے سرشار ہو کر بنگلہ دیش کے لئے اتنی ہمدردی کا اظہار کر رہی ہیں تو واقعی یہ خیالات قابلِ تعریف ہیں لیکن کاش انسانیت کے یہ پتلے اپنے ملک میں بھی انسانی قدروں کا اتنا ہی خیال کرتے۔"

یہ سطور کسی تبصرے کی محتاج نہیں شاید یہی سطور خاص طور پر اس کی محرک بنی ہیں کہ مسلمانوں کے متعدد جریدوں نے ان کا مضمون شوق سے نقل کیا۔ ہم بھی

ان سطور کو صاف گوئی کا ایک اچھا نمونہ تصور کرتے ہیں جن کے پیچھے طرزِ فکر بھی صحت مند اور منطقی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ موصوفہ کے پورے مضمون میں کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں جنھیں نقد و نظر کا موضوع بنایا جا سکتا ہے اور اسی خیال کے اقتضاء پر ہم ان اجزاء کی نشاندہی کر کے فریضۂ نقد ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ موصوفہ تک اگر ہماری آواز پہنچ جائے تو وہ بھی ہماری معروضات پر غور فرمالیں اور اگر ان تک آواز نہ پہنچے تو کم سے کم ان حضرات تک تو پہنچ ہی جائے جنھوں نے ان کے مضمون کو شوق و ذوق سے پڑھا ہے۔

موصوفہ فرماتی ہیں:-

"پاکستان کی حالیہ کشمکش سے ہندوستان کی فرقہ پرست جماعتوں کو بہت کچھ سبق سیکھنا چاہئے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مذہب کے نام پر کسی ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرو دینا ایک خیالِ خام ہے اور یہ نعرہ بے کار ثابت ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کی حالیہ گڑبڑ دو علاقوں کے درمیان نہیں بلکہ فوجی حکومت اور مشرقی پاکستان کے عوام کے درمیان ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بے حد اہم ہے کہ مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی اور جمعیۃ علمائے پاکستان جیسی دائیں بازو کی پارٹیاں اور کونسل مسلم لیگ تک نے شیخ مجیب الرحمٰن کی حمایت کی ہے — انھوں نے جنرل یحییٰ خاں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن سے کوئی سمجھوتہ کر لیں اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرونے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک اتنا زور نہ پکڑتی۔"

جہاں تک ابتدائی سطور میں کہی ہوئی بات کا تعلق ہے وہ اپنی سطحی مفہوم میں بالکل درست ہے۔ مذہب کا محض نام اور خالی نعرہ واقعتہً اس کا اہل نہیں کہ کسی ملک کو اتحاد کی نعمت سے سرفراز کر سکے اور بھانت بھانت کے رجحانات، تعصبات، مزعومات اور داعیات کو اتفاق کے مضبوط دھاگے میں پرو سکے۔ اگر ہم یہ سمجھتے کہ منورما دیوان نے اسی مفہوم میں یہ بات کہی ہے جس میں ہم کہہ رہے ہیں اور ان کا منشا مذہب کی تاثیر سے انکار نہیں بلکہ مذہب کا فقط نام استعمال کرنے کو وہ لاحاصل قرار دے رہی ہیں تو سوائے تائید کے ہمارے لئے کوئی چارہ نہ تھا لیکن ان کے کلام کا بین السطور بتا رہا ہے کہ ان کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ وہ ٹھیک وہی بات کہہ رہی ہیں جو دوسرے بہت سے لوگ اِن الفاظ میں کہتے ہیں کہ مذہب افراد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ اجتماعی زندگی کے لئے سیاسی بنیاد فراہم کر سکے اور اسے مرکز و محور بنا کر کوئی مضبوط اور منصفانہ نظامِ حکمرانی برپا کیا جا سکے۔

جو مفہوم اِن الفاظ کا ہے ضروری نہیں کہ اسے ہمیشہ انھی لفظوں میں بیان کیا جاتا رہا ہو۔ الفاظ ہر ایک نے اپنے اپنے استعمال کئے مگر ذہن اس ڈھنگ سے سوچنے والوں کا — خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، یہی رہا ہے کہ مذہب کو صرف ایک نجی معاملہ رہنا چاہئے جو چند رسمی عبادات تک محدود رہے اور اجتماعی زندگی کی گاڑی اس سے بے تعلق ہو کر چلاؤ۔ افراد کی وفاداریوں کو مرتکز کرنے کے لئے وطن پرستی یا قوم پرستی یا اور کوئی نقطۂ جاذبہ تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مذہب کو اس کام میں لانے کی کوشش حماقت ہے۔ تنگ نظری ہے۔ رجعت پسندی ہے۔ شر انگیزی ہے۔ جب سے مادّہ پرستانہ ذہن کو سائنسی علوم کے توسط سے پوری دنیا پر چھا جانے اور غالب آجانے کا موقع نصیب ہوا ہے مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ اور بھی تیز ہو گیا ہے اور یہ خیال ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت سے پھیلایا جا رہا ہے کہ مذہب اور سیاست کا کوئی جائز رشتہ نہیں۔ وہ ایک دوسرے

سے متصادم ۔ یا کم سے کم مختلف چیزیں ہیں جنھیں ایک دوسرے سے الگ ہوکر چلنا چاہیئے اور الگ چلتے ہوئے بھی ان دونوں کی قدر و قیمت، حقوق اور حیثیات یکساں نہیں، بلکہ سیاست کو نمایاں برتری حاصل ہے اور اسی برتری کی بنا پر وہ حقدار ہے کہ جب ضرورت سمجھے مذہب کے دوائر میں داخل ہوکر من مانے تصرفات کرے اور مذہب کو چون و چرا کا بالکل حق نہ دے۔ مذہب گویا تابع ہے اور سیاست امام۔ مذہب کا درجہ ثانوی ہے اور سیاسی مصالح درجۂ اول پر فائز ہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ منورما دیوان نے اجمالاً جن جماعتوں کو "فرقہ پرست" کہا ہے ان میں "جماعت اسلامی" شامل ہے یا نہیں۔ جو بھی صورت ہو ہمارا آج کا موضوع کوئی خاص جماعت نہیں ہے بلکہ نفس مذہب کو بھی ہم صرف "اسلام" کے معنی میں لے رہے ہیں کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے دوسرا کوئی بھی مذہب ایسی آسمانی تعلیمات اپنے دامن نہیں رکھتا جو زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی شعبوں پر حاوی ہوں، جن کے ذریعے جہد و عمل اور فکر و نظر کے ہر میدان میں ہدایات حاصل ہوسکیں۔ جو انسان سے مکمل اور ہمہ جہتی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہوں اور جن کی حیثیت ایک مربوط، منضبط اور جامع و مانع دستورِ حیات کی ہو۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اسلام کے سوا کسی مذہب کی طرف سے اُس چیلنج کا جواب دینا ممکن نہیں جسکی صدائے بازگشت منورما دیوان کی مذکورہ بالا عبارت کے بین السطور میں گونج رہی ہے۔ اور ہم یقینی طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ اسلام کی طرف سے اس کا جواب دیں۔ لیکن یہ چیلنج پروپیگنڈے کی سطح پر محض ایک للکار ہے مجمل۔ ایک دعوہ ہے بے دلیل۔ ایک نعرہ ہے تفکر سے تہی دامن۔ ایک شور ہے بے معنی۔ مجبوراً ہم جواب بھی مجمل ہی دیں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کی ناکامی کا فیصلہ دینے والے دیانتداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ جائزہ لینے کی زحمت کبھی نہیں اُٹھاتے کہ اسلام کو کارفرمائی کا موقعہ ملا کس حد تک۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے نسخے کو ناکام قرار دیا جائے اور یہ بالکل نہ دیکھا جائے کہ نسخہ مریض کو پلایا بھی گیا ہے یا وہ محض سرہانے رکھا رہا۔

بات چوں کہ پاکستان کی چل رہی ہے اس لئے اسی کی حد تک ہم محترمہ منورما دیوان سے عرض کریں گے کہ ایک نگاہِ غور پاکستان کی ۲۳ سالہ اجتماعی زندگی اور حکمراں طبقوں کے کردار پر ڈال کر دیکھیں اور اندازہ کریں کہ ان ۲۳ سالوں میں اسلام کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہوا ہے کوئی پودا کس حد تک بار آور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا صحیح فیصلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اسکے پھلنے پھولنے کی تمام مثبت اور منفی کوششیں کر کے دیکھ لی جائیں۔ اگر روش یہ اختیار کی جائے کہ صرف زبانوں پر اس پودے کا نام رہے مگر نہ تو کھاد فراہم کی جائے نہ دھوپ اور سائے کا مناسب انتظام ہو۔ نہ آبیاری کی طرف توجہ دی جائے۔ نہ آندھیوں اور اولوں سے حفاظت کا اہتمام ہو۔ بلکہ ارد گرد بے شمار ایسے اسباب اور مؤثرات جمع کر دیئے جائیں جو اس پودے کے لئے مضر ہوں، ریت کے ڈھیر اسے دبا کر رکھ دیں۔ کیڑے مکوڑے اس کی شاخ شاخ چاٹ جائیں۔ گرمی اور پیاس اس کی جڑوں کو سکھا ڈالیں۔ تو آخر یہ فیصلہ دینا کیسے معقول اور مبنی بر انصاف قرار پا سکتا ہے کہ اس پودے میں بار آوری کی صلاحیت نہیں۔ یہ سایہ دار درخت بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

پاکستان کے معاشرے کا انچ انچ ناپ جائیے۔ بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ملے گی جہاں اسلام دشمن نظریات کی چھاپ نہ ہو۔ جہاں خدا بیزار سیاست کے جراثیم کلبلیں نہ کر رہے ہوں۔ اسلام جادو نہیں تھا کہ زبان سے اس کی تسبیح رٹی اور آسمان سے اس کے اثرات و ثمرات

کی بارش ہونے لگی۔ زمین سے اس کی منفعتیں اور برکتیں فواروں کی طرح اُبلنے لگیں۔ اسلام کوئی ایسا نسخۂ شفا بھی نہ تھا کہ ملک کے معدودے چند افراد اسے گھول کر پی جائیں اور سارا ملک شفا سے ہمکنار ہوتا چلا جائے۔ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ ریاضت اور جفا کشی کا طالب۔ ایثار اور ضبطِ نفس کا متقاضی۔ لگن اور جدوجہد کو لازمۂ حیات قرار دینے والا۔ حرام اور حلال کی اٹل سرحدیں قائم کرنے والا۔ وہ اپنے حلقہ بگوشوں سے کامل وفاداری اور کلّی اطاعت طلب کرتا ہے ــ اگر پاکستانی مسلمانوں نے ان قیود و شرائط کو پورا کیا ہوتا اور پھر بھی انھیں اتحاد کی نعمت حاصل نہ ہوتی تب یہ ریمارک معقول قرار دیا جاسکتا تھا کہ مذہب کو ذریعۂ اتحاد بنانا خیالِ خام ہے۔ لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پاسداری تو درکنار ان کے بالکل برعکس طور طریق اور یکسر خلافِ اسلام افکار و افکار کو سینے سے لگا لیا گیا تو قصور صرف مسلمانوں کا ٹھیرے گا نہ کہ اسلام کا۔ ناکام وہ لوگ قرار پائیں گے جنھوں نے اسلام کا نام صرف مطلب برآری کے لئے لیا۔ اسے آلۂ کار بنا کر رکھا۔ اس کے پیروں میں اپنی مرضی کی بیڑیاں ڈالیں اور مسندِ اقتدار دینے کے عوض اسے ٹھیک اس شاہین کا مقام دیا جو محض شکار کے وقت آزاد کیا جاتا ہے اور پھر اسے اس کے پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔

جتنی انتھک جدوجہد مختلف ممالک میں قوم پرستی اور وطن پرستی اور نسل پرستی کے نشو و نما میں کی جارہی ہے اس سے آدھی کوشش بھی اگر پاکستان میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے اور اسلامی معاشرت کی زلفیں سنوارنے میں کی جاتی تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نتائج حیرتناک نکلتے۔ ــــ دنیا سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ قوم و وطن کی پرستش کے علاقائی نظریوں کے مقابلے میں خدا پرستی کا آفاقی نظریہ بار آوری کی کتنی زبردست استعداد رکھتا ہے اور اس کے پھل پھول اخلاقی حس رکھنے والوں کے لئے کتنے دلکش ہوتے ہیں۔

مگر پاکستانی حکمرانوں نے اپنی ساری صلاحیتیں معکوس جدوجہد میں کھپا دیں اور نتیجہ سامنے ہے کہ بھائی کو بھائی پھاڑے کھا رہا ہے۔ مسلمان کو مسلمان مارے ڈال رہا ہے۔ یہ فی الاصل اسلام کی ناکامی نہیں علاقہ پرستی، نسل پرستی اور مفاد پرستی کے خبیث جذبوں کے طبعی ثمرات ہیں۔ منور رما دیوان سوچیں کہ مذہب کی بنیاد پر اتحاد کا حصول اگر خیالِ خام ہے تو دوسری کونسی بنیاد ہے جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے یا پنجاب کو سندھ یا کراچی کو سرحدی صوبوں سے جوڑے رکھ سکتی ہے۔ ثقافت، کلچر، رسم و رواج طبائع، میلانات، روایات اور فکری زاویے ہر علاقے کے الگ۔ اسلام کے سوا کوئی بھی قدرِ مشترک ایسی نہیں جو ہر صوبے کو ایک مستقل اسٹیٹ بننے سے روکے۔ جغرافی خطوط آدمی ہی کھینچتا ہے۔ کل تک لاہور اور دہلی کے درمیان کوئی دیوار نہ تھی۔ آج انسان ہی کے کھینچے ہوئے نئے نقشوں نے انھیں ۲ ملک بنا دیا ہے۔ پھر کیا مذہب کو نظر انداز کر کے ڈنڈے کے سوا بھی کوئی چیز رہ جاتی ہے جو مختلف صوبوں کو تو درکنار مختلف شہروں اور قصبوں ہی کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھے۔ آزادی و خود مختاری جن معنوں میں مشرقی پاکستان والوں نے طلب کی ہے ان معنوں میں ایک معمولی شہر اور قصبہ بھی آزادی و خود مختاری کا مطالبہ کر سکتا ہے جب کہ مذہب اور اس کے فرامین اجتماعی زندگی اور سیاست سے بے دخل کر دیئے جائیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء اور کونسل مسلم لیگ نے شیخ مجیب الرحمٰن کی حمایت کی ــــ یہ ایک مغالطہ انگیز دعویٰ ہے جسے مناسب وضاحت کے بغیر پیش کرنا غلط نتائج تک لے جا سکتا ہے۔ ان جماعتوں نے یہ ضرور خواہش کی کہ صدر یحییٰ قومی اسمبلی بلائیں اور مجیب الرحمٰن کی پارٹی انتخاب میں سب سے بڑھ کر کامیابی حاصل کرنے والی پارٹی کی حیثیت سے اس میں شریک ہو۔ انھوں نے

یہ ضرور چاہا کہ شیخ مجیب سے معقولیت اور جمہوری اسپرٹ کے ساتھ معاملات طے کئے جائیں اور خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اس طرزِ عمل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے اُس طرزِ فکر اور مشن کی بھی حمایت کی جس کا علامتی نام "شیخ مجیب الرحمٰن" پڑ گیا ہے۔ شیخ اپنے مشہور چھ نکات کے باوجود ابتداءً یہ اظہار ہرگز نہیں کرتے تھے کہ وہ "بنگلہ دیش" کے نام پر ایک خود مختار اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں۔ نہ ان کا یہ موقف تھا کہ مغربی پاکستان الگ ایک ملک اور بنگلہ دیش الگ ایک ملک۔ اسی لئے متذکرہ جماعتیں اس توقع میں حق بجانب تھیں کہ افہام و تفہیم کے ذریعے چھ نکات کا ایسا بھی مصداق برآمد کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی سالمیت پارہ پارہ نہ ہو اور مشرقی پاکستان والوں کو مناسب جمہوری حقوق بھی مل جائیں ۔۔۔ لیکن جس مرحلے میں اس توقع کا خاتمہ ہوگیا اور شیخ مجیب اپنے چھ نکات کو مکمل آزادی و خود مختاری کے مرادف قرار دینے پر آمادہ نظر آئے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پاکستان کی کوئی بھی جماعت ان سے اتفاق کرتی اور جمہوریت کے نام سے پاکستان کو دونیم ہو جانے دیتی۔ شیخ مجیب کے مشن کو ناکام بنانے میں صدر یحییٰ نے جن حربوں سے کام لیا ان سے یہاں بحث نہیں۔ ان کی فوجی کارروائیاں جس درجے میں ظلم و بربریت کے دائرے میں آتی ہوں اسی درجے میں اسلام ان سے بری الذمہ ہے۔ اسلام کی کتاب الجہاد اور کتاب البغی وغیرہ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ وہاں اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ عورتوں بچوں اور غیر متعلق شہریوں کو نشانہ بنایا جائے۔ یحییٰ خاں کے عساکر نے اگر ایسا کیا ہے تو اپنی ذمہ داری پر کیا ہے اسلام کا قانون اُن کا دُم چھلّا نہیں بنے گا۔

بہر حال متذکرہ پارٹیوں کی حمایت کا حدود اربعہ ہم نے واضح کر دیا ۔۔۔ مگر ان پارٹیوں کی حمایت کا ذکر کرنے کے بعد منور بادیوان کا یہ کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ:۔

"اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرونے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک اتنا زور نہ پکڑتی۔"

دونوں باتوں میں کیا ربط ہے؟ ۔۔۔ اسلام کی نمائندگی کرنے والی جماعتوں نے اگر کسی سطح پر شیخ مجیب کی حمایت کی تھی تو اس سے وہ نتیجہ کیسے نکلا جسے موصوفہ نے حوالۂ قلم کیا ہے۔

ایک بات اور بھی تنقیح طلب ہے ۔۔۔ بغاوت اور تحریکِ آزادی میں آخر کیا فرق ہے؟ یہ سوال جبتک علمی اور آئینی سطح پر حل نہ ہو مشرقی پاکستان کی تحریک کو کسی خاص صفت سے متصف کرنا قبل از وقت ہوگا۔ "آزادی" بجائے خود ایک "گول" اصطلاح ہے۔ علمی زبان میں اسے ایک اضافی شے کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں آزادی کی وسعتیں اور ہیں اور روس میں اور۔ خود ہمارے یہاں ان دونوں سے مختلف۔ امریکہ میں ریلیں اور ڈاکخانے اور ہوائی جہاز بھی عوام ہی چلاتے ہیں نہ کہ حکومت لیکن اپنے یہاں ہم اس آزادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں عوام بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ ویت نام میں حکومت کا لڑنا قابلِ مذمت ہے۔ فوجیں واپس بلاؤ۔ خون ریزی بند کرو۔ اس کہنے پر حکومت طوق و سلاسل اور توپ و تفنگ لے کر نہیں دوڑتی۔ مقدمے نہیں چلاتی۔ مگر دوسرے بہت سے ملک ہیں جہاں جمہوریت ہی کے پھریرے اُڑ رہے ہیں ایسی آزادی کو غدّاری اور تخریب کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کا جو موقف ہے اسے تحریکِ آزادی قرار دینے سے پہلے لفظ آزادی کا ایک معیّن مصداق اور حدود اربعہ واضح کرنا ہوگا۔ یہ بتانا ہوگا کہ غلامی کی تعریف کیا ہے کیونکہ ہر شے اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ مجیب اور ان کے حامی اگر مجاہدینِ آزادی ہیں تو معلوم ہوا کہ

تخلیقِ پاکستان سے اب تک وہ غلام رہے ہیں۔ صرف مظلوم ہونے کا نام غلامی نہیں۔ یہ شکایت کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا بارہا باپ بیٹوں کے درمیان بھی دیکھی جاتی ہے۔ مگر اسے غلامی تو نہیں۔ اگر "تحریک آزادی" کا عنوان اتنا ہی سستا اور بے قیمت ہے کہ جہاں چاہے چسپاں کر دیا جائے تو پھر اپنے ہی دیس میں کن کن تحریکوں کو اس عنوان سے مشرف کرنا آسان نہ ہو جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ منورما دیوان اپنی وسیع النظری اور انصاف پسندی کے باوجود سطحی نعروں اور پُر فریب اصطلاحوں سے دھوکا کھایا اور "مذہب" کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے ان کا ذہنی رویہ عامیانہ رہا نہ کہ محققانہ اور مفکرانہ۔

جن سنگھ جیسی پارٹیوں کی دورنگی پالیسی پر گرفت کرتے ہوئے موصوفہ نے ٹھیک کہا کہ:-

"جب ہندوستان میں ہماری مخالف تحریک چلتی ہے تو یہ اسے علیحدگی پسندی اور غداری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پاکستان میں جب قومی زبان کی مخالفت ہوتی ہے تو اسے لے کر بیحد خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔"

لیکن کیا کانگریس کا اندازِ فکر اور فعل و عمل ایسی ہی دورنگی سے آلودہ نہیں ہے۔ کیا شیخ مجیب کے مطالبات کو برحق ماننے اور بنگلہ دیش کی تحریک کو مقدس اصطلاحوں سے نوازنے کا جرم تنہا جن سنگھ نے کیا ہے کانگریس نے نہیں۔ حالانکہ یہی کانگریس اپنے دیس میں اٹھنے والے ان مطالبات کو جو شیخ مجیب کے مطالبات سے ہلکے ہی ہیں، علیحدگی پسندی اور تخریب کاری اور سالمیت دشمنی سے تعبیر کرتی ہے۔ مجیب اس کے نزدیک محترم اور مجاہدِ حریت مگر کروناندھی، نمبودری پد اور شیخ عبداللہ سرزنش کے سزاوار۔

کانگریس کو چھوڑیئے۔ خود منورما دیوان کیا تولنے کے دو مختلف باٹ استعمال نہیں کر رہی ہیں جب کہ وہ بغیر کسی تکلف اور تامل کے بنگلہ دیش والوں کی سرگرمیوں کو "آزادی کی جدوجہد" کہتی ہیں۔ اگر حقیقی اور مصنوعی شکایات کی بنیاد پر حد سے متجاوز خود مختاری اور آزادی کا مطالبہ "تحریک آزادی" کے مرادف ہے تو پھر تامل ناڈو یا کشمیر یا کسی بھی ہندوستانی علاقے کے اسی طرزِ عمل کو تخریب کاری، علیحدگی پسندی، ملک دشمنی اور غداری کس دلیل سے کہا جا سکتا ہے اسے بھی جہادِ حریت کہیئے۔ تحریک آزادی قرار دیجئے۔

واقعہ یہ ہے کہ انصاف بہت مشکل ہے۔ دل و دماغ کو جانبداریوں سے بچا کر لے جانا بڑا دشوار ہے۔ اس کڑے امتحان میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو روح و ضمیر کی پوری گہرائیوں کے ساتھ قرآن کے اس حکم کو مشعلِ راہ بنائیں کہ اے لوگو حق کی گواہی دو چاہے یہ تمہارے عزیز و اقربا، تمہارے ماں باپ اور تمہارے اپنے ہی نفس کے خلاف کیوں نہ پڑے۔ صَدَقَ اللہُ مولانا العظیم۔

مولوی اسعد میاں نے پھول برسائے!

ہمارے سامنے ایک ہی واقعے سے متعلق متعدد خطوط ہیں جن میں ایک خط "چمپارن ضلع مسلم لیگ" کے صدر صاحب کا بھی ہے جو باقاعدہ مطبوعہ لیٹر ہیڈ پر ہے اور اس پر دفتر کی مُہر بھی ہے۔

ان خطوط میں یہ بتایا گیا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مولوی اسعد میاں صاحب نے بتیا میں ۲۰ اپریل ۱۹۷۱ء کو جلسۂ عام میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائیں:-

(۱) جو جماعت یہ کہتی ہے کہ انڈیا اسٹیٹ اور حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے آتے ہیں وہ جھوٹی اور بے ایمان ہے۔

(۲) ایسے ناخلف، ناہنجار مسلمان یہاں رہ گئے ہیں جو میرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہائے ہائے ہم مر گئے مولانا اب

ہم کیا کریں۔ میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ زہر کھالو، مرجاؤ، سنکھیا پی لو۔

(۳) مسلم لیگ نے ملک کا بٹوارہ کرایا ہے اور لاکھوں مسلمانوں کو کٹوایا ہے۔ خدا کے لئے مسلم لیگ کو فروغ دے کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں نہ ڈالئے۔

(۴) فسادات میں لاکھ دو لاکھ مسلمان کٹ ہی جائیں اس سے کیا۔ مسلمانوں کی آبادی ملک میں بڑھ رہی ہے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

اسعد صاحب کے اِن فرمودات سے مطلع کرنے والوں نے یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ "ہم نے غلط بیانی یا مبالغہ آرائی ہرگز نہیں کی۔ اگر کوئی ہمیں جھوٹا کہے تو ہم ثابت کرسکتے ہیں"۔ ہمارے نزدیک مولوی اسعد صاحب کی تقریریں ایسی چیز نہیں کہ علم و آگہی اور فکر و تحقیق کے رُخ سے ان پر سنجیدہ التفات کیا جائے لیکن اتفاق سے جمعیۃ علماء ہند کے سرکاری آرگن "الجمعیۃ" ہی کی ایک قریبی اشاعت میں چند ادارتی سطور ایسی آئی ہیں کہ ان ہیں بطور آئینہ مولوی اسعد میاں کے آگے رکھنا دلچسپ معلوم ہوا اسی لئے یہ چند صفحے کالے کئے جارہے ہیں۔

۱۴ر مئی ۱۹۷۱ء کے روزنامہ الجمعیۃ کے پہلے شذرے کا عنوان ہے "اتحاد اور سالمیت کی ضرورت" اسمیں فاضل مدیر رقم طراز ہیں:-

"کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنایا۔ ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کا تصور تو آفاقی ہے۔ وہ گوشہ نشینی کے لئے کوئی خطّہ تجویز نہیں کرسکتا۔ وہ مسلمان مسلمان ہی نہیں جو وصل کے بجائے فصل کا نعرہ لگائے اور اتحاد کے بجائے تقسیم کو دعوت دے۔ مگر فسطائی طاقتوں نے مسلمانوں کو غلط الزام دے کر فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی ہے۔ اس آگ کو سرد کرنے کیلئے حکومت کو آگے قدم بڑھانا چاہیئے۔ اسے پورے عزم اور سچائی سے کہنا چاہیئے کہ ملک کی تقسیم ہندو مسلمانوں کی مرضی سے ہوئی مسلمان اقلیت میں تھے۔ اگر صرف وہی تقسیم چاہتے تو اکثریت کے سامنے ان کی کیا چلتی۔ تقسیم میں زیادہ ہاتھ سورگیہ پٹیل کا تھا۔ پنڈت نہرو، گاندھی جی سب ہی نے انجام سوچ کر تقسیم کے لئے اپنی منظوری دی۔ بھلا مسلمان جو اقلیت میں تھے ان کی بات اکثریت کس طرح مان لیتی۔"

چند سطروں بعد:-

"اکثریت نے کسی وجہ سے تقسیم کو مانا مگر افسوس کی بات ہے کہ بعد میں اس کا سارا الزام مسلمانوں پر جھونک دیا اور فسطائی طاقتوں کو اس سے غذا ملنے لگی۔"

ہمیں ان تمام سطور میں صرف ایک بات سے اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ محترم شذرہ نگار نے "سورگیہ پٹیل" کے الفاظ استعمال کئے۔ سورگ (جنت) کا تصور برادرانِ وطن میں کیا ہے یہ وہ جانیں۔ آنجہانی پٹیل ان کی دانست میں سورگ کے مستحق ہوں اس سے بھی ہمیں بحث نہیں۔ لیکن کسی مسلمان کے لئے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے غیر مسلم کو "جنت مکانی" لکھے۔ سورگیہ اور جنت مکانی ایک ہی مفہوم کے دو قالب ہیں۔ ہمارا خیال ہے محترم شذرہ نگار کے قلم سے بے خیالی میں یہ لغزش ہوگئی ہے اور اس بے خیالی کی نفسیاتی بنیاد اُس نفاق پرور ماحول میں ہے جس میں وہ جبرِ حالات کے تحت زندگی گذار رہے ہیں۔

خیر۔ یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ ملاحظہ یہ فرمائیے کہ جمعیۃ علمائے ہند کا سرکاری آرگن کیا کہہ رہا ہے اور جمعیۃ کے ناظم عمومی صاحب نے چودہ دن قبل کیا فرمایا ہے۔ منقولہ ارشادات کی شق نمبر ۳ میں ناظم صاحب نے جو کچھ

کہا وہ ٹھیک وہی ہے جسے الجمعیۃ کے فاضل مدیر فسطائی طاقتوں کی الزام تراشی قرار دے رہے ہیں۔ یعنی اسعد صاحب کی نام نہاد وطن پرستی دراصل فسطائیت کا نقاب ہے اور الجمعیۃ کے حق پسند مدیر نے اسی نقاب کو اُلٹ دیا ہے۔ اگر حیا اور عزتِ نفس کا احساس کوئی چیز ہے تو اسعد صاحب کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ جمعیت کی نظامت سے خُلع حاصل کرلیں یا پھر مدیرِ الجمعیۃ کو ایڈیٹری سے ہٹائیں۔ پہلا راستہ تو وہ قیامت تک اختیار نہ کرسکیں گے کیونکہ سائنس نے ابھی تک مرضِ جاہ پرستی کے ازالے کا کوئی انجکشن ایجاد نہیں کیا۔ لیکن دوسرا راستہ بھی کھیل نہیں۔ الجمعیۃ کے موجودہ مدیر اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو روزنامہ الجمعیۃ کو نجیب اور باضمیر لوگ شاید ہاتھ بھی لگانا پسند نہ کریں۔

خیر۔ جن حضرات کو ایمانداری کے ساتھ یہ تحقیق کرنا ہو کہ بٹوارے کی ذمہ داری کس پر جاتی ہے وہ زیادہ نہیں صرف دو کتابیں پڑھ دیکھیں۔ مولانا آزادؒ کی "انڈیا ونس فریڈم" اور کانجی دوآرکاداس کی "محمد علی جناح" —— ان سے کافی حد تک پتہ چل جائے گا کہ نظریۂ پاکستان سے لے کر تخلیقِ پاکستان تک اصل کارفرمائی کن اسباب و علل کی رہی اور محمد علی جناح جیسا بے لاگ قوم پرست "فرقہ پرست" کیوں بنا۔

اب آیئے شق نمبر ۱ پر بھی چند باتیں ہو جائیں۔

اگر کسی شخص کے صاحبِ علم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مولویانہ وضع قطع رکھتا ہو اور پیری مریدی کرتا ہو اور بہت سے لوگ اسے حضرت اور مولانا اور قبلہ و کعبہ کہتے ہیں تو بے شک مولوی اسعد اصحابِ علم میں شمار ہوں گے بلکہ بقول بعض ان سے بڑا عالم آج کی دنیا میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر صاحبِ علم صرف اسے کہیں گے جس کا کوئی علمی کارنامہ بھی منظرِ عام پر موجود اور تحریر و تقریر میں وہ معروف علمی اسالیب سے کام لیتا ہو تو مولوی اسعد کو اہلِ علم میں شمار کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی خچر کو گھوڑا یا رولڈ گولڈ کو خالص سونا قرار دینے لگے۔

"جو جماعت" —— یعنی جماعت اسلامی انبیاء اور اسٹیٹ اور حکومتِ الٰہیہ کے بارے میں کیا کہتی ہے یہ سمجھنا اہلِ علم کا کام ہے اربابِ جہل کا نہیں۔ نہ ان نازک علمی مباحث کو وہ کوتاہ فہم پیرزادے اور سجادے سمجھ سکتے ہیں جو سیاست و اقتدار کے ساتھ تصوف و طریقت کا جوڑا لگا کر عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس مواصلت سے فرزندِ اسلام کی ولادت ہوگی۔

تفنن ہرگز نہ سمجھئے۔ مولوی اسعد دینی قبیل کے جو الفاظ زبان سے نکالتے ہیں ان کی حیثیت ٹیپ ریکارڈ جیسی ہے۔ ایک سے ایک شاندار تقریر اور نغمہ اور قرأۃ آپ ٹیپ ریکارڈ سے سن سکتے ہیں مگر ٹیپ ریکارڈر کو ان میں سے کسی بھی چیز کے مضمرات، عواقب اور مطالب کا شعور ہو یہ کوئی اناڑی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اب اگر ہم عزیز موصوف کو یہ سمجھانے بیٹھیں کہ جماعتِ اسلامی حکومتِ الٰہیہ کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ انبیاء اور اقتدار کے مابین کیا نسبتیں ہیں، قرآن و حدیث نے کیا تعلیمات پیش کی ہیں، اور مغلوب الغضب ہو کر کسی اسلام پسند جماعت کو بے ایمان اور جھوٹا کہنا کیسی بچکانہ حرکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بے شعور ٹیپ ریکارڈر کو ذوی العقول میں شمار کر رہے ہیں۔ بے شعور مشین پر صاحبِ فہم و شعور ہونے کا دھوکا کھا رہے ہیں۔ بھینس کے آگے بین بجانے کی کہاوت بھی ہماری اس نا سمجھی پر پانی پانی ہو جائے گی کیونکہ بھینس بہرحال کان اور احساس رکھتی ہے مگر ٹیپ ریکارڈر ایسے ہر وصف سے معرّا ہے۔

یہ مت سمجھئے کہ عزیز موصوف کو ہم ہر معاملے میں غیر ذی شعور قرار دے رہے ہیں۔ توبہ توبہ۔ بعض معاملات میں تو وہ عقیل اور دانشور ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو اسمبلی کی ممبری یا والد صاحبؒ کی مسندِ ارشاد وہ کیسے حاصل کر لیتے۔ اللّٰھم زد فزد۔ ہم حاسد نہیں بلکہ دعاگو ہیں کہ اللہ انھیں ترقی

دے کر وزیر بھی بنائے اور مدارجِ سلوک میں بھی اور اونچا اڑائے۔ مگر ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ وہ ہر میدان میں چوکڑیاں بھرنے کی زحمت نہ فرمایا کریں۔ "مسلم لیگ" کی حد تک تو خیر انھیں معذور سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہی وہ "حرافہ" ہے جس نے غیر منقسم ہندوستان کے آخری الیکشن میں جمعیۃ علماء کا خانہ خراب کر دیا تھا۔ یہی وہ "بلا" ہے جس نے جمعیۃ علماء کے واحد نمائندگی کے پیدائشی دعوے کو غسل اور کفن کے بغیر ہی زمین میں دبا دیا تھا۔ اس سے موصوف کو جتنی کد ہو وہ تھوڑی اور اس پر تبرا جو ل کہ قوم پرستی کو مضبوط اور مستند بنانے کا کارگر نسخہ ہے اس لئے تجارتی اور سیاسی ہر اعتبار سے اس کے لئے لینا اور اس پر آنکھیں نکالنا قابلِ فہم اور نفع بخش۔

لیکن غریب جماعت اسلامی تو نہ سیاسی حریف ہے نہ بغلی دشمن۔ وہ کم سے کم بھارت کی حد تک آپ کی نہ کرسی چھینتی ہے نہ خلافت۔ اس کے اخبار "دعوت" میں کبھی آپ کا ذکر دشمن کی حیثیت میں نہیں آتا۔ اس نے کبھی آپ کے ایمان اور صدق گوئی پر لعن طعن نہیں کیا۔ پھر آخر کیوں آپ اس کے تعلق سے انبیاء اور اسٹیٹ جیسے الفاظ کی معنویت پر بٹہ لگاتے اور سادہ لوحوں پر رنگ جماتے ہیں۔ کیوں آپ فضول گوئی کر کے اہلِ فہم کو "چہل سال عمرِ عزیزت گزشت" والا شعر یاد دلاتے ہیں۔ یہ قوم کی خیر خواہی نہیں بلکہ لونڈاپن ہے کہ جن علمی و فکری مباحث کو عوام الناس تو کیا خود آپ نہیں سمجھ سکتے انھیں پروپیگنڈے اور نعرہ بازی کی سان پر چڑھائیں۔

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائیں گے

جہاں تک دوسری اور چوتھی شقوں کا تعلق ہے ہم ان پر کوئی اعتراض اس لئے نہیں کرتے کہ سیاق و سباق کے تغیر سے ان کا مفہوم و منشاء متغیر ہو سکتا ہے۔ بعض حالتوں میں اس قسم کی سرزنش اور گرم گفتاری تادیباً بھی ہوتی ہے جس کے پیچھے محبت اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ مولوی اسعد صاحب ملک و ملّت کے دشمن نہیں ہیں۔ بہی خواہ ہیں۔ ہمدرد ہیں۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان برباد ہوں۔ خودکشی کریں۔ لٹیں پٹیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ناسمجھی اور عدمِ تحمل کی بنیاد پر وہ جوشِ خطابت میں غلط سلط الفاظ بول جائیں۔

اللہ تعالیٰ انھیں عقلِ سلیم عطا فرمائے اور جماعتِ اسلامی کی نامراد دشمنی نے زنگ کی جو تہہ ان کے دل و دماغ پر چڑھادی ہے اسے دھونے کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے کسی کیمیاوی تیل کی بارش فرمادے۔ ہم جیسوں کی نصیحت تو وہ مان نہیں سکتے۔

ان کے معتقدین یہ خیال نہ فرمائیں کہ ملک و ملّت کی جو خدمات وہ فرماتے رہتے ہیں ان سے ہم آگاہ نہیں۔ الحمدللہ ہم بخوبی آگاہ ہیں اور ہر اس خدمت کی تہہِ دل سے قدر کرتے ہیں جو واقعی خدمت ہو اور اسلامی نقطۂ نظر سے اسے مستحسن کہا جا سکے۔ لیکن اپنے فکر و فہم کی استعداد اور اپنے علم و خبر کی دسترس سے آگے بڑھ کر جب وہ بعض مسائل پر بے نقط انداز میں زبان کھولتے ہیں تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے کہ ایک اچھا بھلا آدمی کم عقلی کے کس اندھیرے میں جا پڑا۔ خصوصاً جماعت اسلامی کے سلسلے میں تو ان کی روش بہت ہی گھٹیا ہے۔ کتنا بڑا سا جسم اور کتنا چھوٹا سا ظرف۔ کیسی کٹورا سی آنکھیں اور کتنی تنگ نظر! یہ اندوہناک صورتِ حال کس حساس آدمی کے لئے باعثِ کرب نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعصب، نادانائی اور جہلِ مرکب سے بچائے۔

مولانا آزاد کی چار کتابیں

حقیقۃ الصّلوٰۃ نماز اور اس کے متعلقات پر علم و حکمت کے رُخ سے بے نظیر گفتگو۔ شائقین کی خدمت میں ہم قدیم الہلال ایجنسی کا شائع کردہ اصل نسخہ ہی پیش کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ۔

حقیقۃ الزکوٰۃ زکوٰۃ اور اس کے متعلق جملہ تفصیلات کا محققانہ بیان۔ سود، احتکار اور سوشلزم کی بحثیں۔ قیمت — ایک روپیہ۔

اُمّ الکتاب سورۂ فاتحہ کی تفسیر مجلد — آٹھ روپے

مسئلہ خلافت خلافت کے تاریخی و علمی مسئلے پر اہم گفتگو۔ قیمت۔ پانچ روپے۔

اسلام کیا ہے؟ مولانا منظور نعمانی کی وہ مشہور کتاب جس میں اسلام کا تفصیلی تعارف اس انداز میں کرایا گیا ہے کہ ہر استعداد کا آدمی اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ (اُردو) قیمت۔ ڈھائی روپے ۲/۵۰ ہندی چار روپے — انگریزی آٹھ روپے۔

دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر اکبری دور کے مذہبی اور سیاسی فتنوں کا فکر انگیز جائزہ جو بیش بہا معلومات کا گنجینہ ہے۔ قیمت مجلد — سات روپے۔

تزکیۂ نفس تزکیہ کی اصل، اس کے علمی و عملی اقسام، اس کے حصول کی صورتیں، اس کی اہمیت و ضرورت ہر اس شخص کے لئے رہنما جو اپنے نفس کا تزکیہ چاہتا ہے۔ قیمت مجلد — ساڑھے چھ روپے ۶/۵۰۔

شہدائے بدر رض شہدائے بدر کے مختصر حالات و کوائف۔ قیمت — ۶۰ پیسے۔

مسجد سے میخانے تک یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مُلّا ابن العرب مکّی کے شہ پاروں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں ان میں تبسم کی چاندنی اور طنز کی نمکینی ہی نہیں افادیت بھی ہے۔ مُلّا فقط طنز برائے طنز اور مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی آپ کی توجہ منعطف کراتا ہے۔ حصہ اوّل، پانچ روپے ۷۵ پیسے۔ حصہ دوم، چھ روپے ۷۵ پیسے۔

اذکارِ مسنونہ زندگی کی تمام ضرورتوں اور دشواریوں کیلئے مسنون تسبیحات و اوراد ہر مسلمان کے کام کی چیز ہے۔ قیمت مجلد — چار روپے۔

اسلام ایک نظر میں اختصار کیساتھ اسلام کا تعارف کرانے والی مقبول کتاب۔ مجلد ساڑھے تین روپے

تقلید کیا ہے؟ تقلید کی ضرورت، حدود قیود اور شرعی حیثیت پر دلائل کی روشنی میں تسلی بخش گفتگو۔ ۵۰ پیسے

آدابِ زیارتِ قبور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد سلطان کے فرمودات ۵۰ پیسے

ارکانِ اسلام اسلامی عقائد و فرائض کے مصالح و محاسن عام فہم زبان میں۔ دو روپے۔

فنّ اسماء الرّجال احادیث مقدسہ کو محفوظ کرنے اور صحت و غلط میں تمیز کیلئے محدثین نے اسماء الرجال کا جو فن ایجاد کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس جلیل القدر فن کی تفصیلات جاننے کے لئے یہ کتاب خاصے کی چیز ہے۔ قیمت — ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔

قرآنِ محکم آیات کے نسخ پر ایک دلچسپ بحث۔ قیمت مجلد — ڈھائی روپے۔

سَو بڑے آدمی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے سَو بڑے آدمیوں کا مختصر تعارف کراتی ہے۔ دلچسپ اور معلومات سے پُر۔ ساڑھے تین روپے۔

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیم القرآن

الملک (۳) پارہ ۲۹

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق۔[۲۳] اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔[۲۴] کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے،[۲۵] تمہیں زمین

---

۲۳ یعنی یہ زمین تمہارے لئے آپ سے آپ تابع نہیں بن گئی ہے اور وہ رزق بھی جو تم کھا رہے ہو خود بخود یہاں پیدا نہیں ہو گیا ہے بلکہ اللہ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہاں تمہاری زندگی ممکن ہوئی اور یہ عظیم الشان کرّہ ایسا پرسکون بن گیا کہ تم اطمینان سے اس پر چل پھر رہے ہو اور اس میں تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا بے حد و حساب سرو سامان فراہم ہو گیا۔ اگر تم غفلت میں مبتلا نہ ہو اور کچھ ہوش سے کام لے کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ اس زمین کو تمہاری زندگی کے قابل بنانے اور اس کے اندر رزق کے اتھاہ خزانے جمع کر دینے میں کتنی حکمتیں کارفرما ہیں۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، النمل، حواشی ۷۳، ۷۴، ۸۱۔ جلد چہارم، یٰس، حواشی ۲۹، ۳۲، المومن، حواشی ۹۰، ۹۱۔ الزخرف حاشیہ ۷۔ الجاثیہ، حاشیہ ۷۔ جلد پنجم، ق، حاشیہ ۱۸)۔

۲۴ یعنی اس زمین پر چلتے پھرتے اور خدا کا بخشا ہوا رزق کھاتے ہوئے اس بات کو نہ بھولو کہ آخر کار تمہیں ایک دن خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۲۵ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے بلکہ یہ بات اس لحاظ سے فرمائی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر جب خدا سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ دعا مانگتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کسی آفت کے موقع پر سب سہاروں سے مایوس ہوتا ہے تو آسمان کا رُخ کر کے خدا سے فریاد کرتا ہے۔ کوئی ناگہانی بلا آ پڑتی ہے تو کہتا ہے یہ اُوپر سے نازل ہوئی ہے۔ غیر معمولی طور پر حاصل ہونے والی چیز کے متعلق کہتا ہے یہ عالمِ بالا سے

ہیں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے[۲۶]؟ پھر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے[۲۷]۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ پھر دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت تھی[۲۸]۔ کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے۔ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو انھیں تھامے ہوئے ہو[۲۹]۔ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے[۳۰]۔

آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو کتب سماوی یا کتب آسمانی کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص ایک کالی لونڈی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے، کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ حضورؐ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ اس نے پہلے آپؐ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا یہ مطلب واضح ہو رہا تھا کہ آپ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا' اسے آزاد کر دو' یہ مومنہ ہے۔ (اسی سے ملتا جلتا قصہ مؤطا' مسلم اور نسائی میں بھی روایت ہوا ہے) حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا' یہ وہ خاتون ہیں جن کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی (تفسیر سورۂ مجادلہ' حاشیہ ۲ میں ہم اس کی تفصیل نقل کر چکے ہیں)۔ ان ساری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ انسان کی فطرت ہی میں ہے کہ وہ جب خدا کا تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن نیچے زمین کی طرف نہیں بلکہ اوپر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھ کر یہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق مَنْ فِي السَّمَاءِ (وہ جو آسمان میں ہے) کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مقیم قرار دیتا ہے۔ یہ شبہ آخر کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ اسی سورۂ ملک کے آغاز میں فرمایا جا چکا ہے کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (جس نے تہ بر تہ سات آسمان پیدا کئے) اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (پس تم جدھر بھی رخ کرو اس طرف اللہ کا رخ ہے)۔

۲۶ مراد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اس زمین پر تمھارا بقا اور تمھاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اپنے بل بوتے پر تم یہاں مزے سے نہیں دندنا رہے ہو۔ تمھاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کا رہین منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آ سکتا ہے کہ یہی زمین تمھارے لئے آغوشِ مادر کے بجائے قبر کا گڑھا بن جائے' یا ہوا کا ایسا طوفان آ سکتا ہے جو تمھاری بستیوں کو غارت کر کے رکھ دے۔

۲۷ تنبیہ سے مراد وہ تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے ذریعے سے کفارِ مکہ کو کی جا رہی تھی کہ اگر کفر و شرک سے باز نہ آؤ گے اور اس دعوتِ توحید کو نہ مانو گے جو تمھیں دی جا رہی ہے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

۲۸ اشارہ ہے اُن قوموں کی طرف جو اپنے یہاں آنے والے انبیاء کو جھٹلا کر اس سے پہلے مبتلائے عذاب ہو چکی تھیں۔

۲۹ یعنی ایک ایک پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے' خدائے رحمٰن کی حفاظت میں اڑ رہا ہے۔ اسی نے ہر پرندے کو وہ ساخت عطا فرمائی جس سے وہ اڑنے کے قابل ہوا۔ اسی نے ہر پرندے کو اڑنے کا طریقہ سکھایا۔ اسی نے ہوا کو اُن قوانین کا پابند کیا جن کی بدولت ہوا سے زیادہ بھاری جسم رکھنے والی چیزوں کا اس میں اڑنا ممکن ہوا' اور وہی ہر اڑنے والے کو فضا میں تھامے ہوئے ہے' ورنہ جس وقت بھی اللہ اپنی حفاظت اس سے ہٹا لے' وہ زمین پر آ رہے۔

۳۰ یعنی کچھ پرندوں ہی پر موقوف نہیں' جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی

بتاؤ آخر وہ کونسا لشکر تمھارے پاس ہے جو رحمان کے مقابلے میں تمھاری مدد کر سکتا ہے؟ [۳۱] حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرین دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا پھر بتاؤ کون ہے جو تمھیں رزق دے سکتا ہے اگر رحمان اپنا رزق روک لے؟ دراصل یہ لوگ سرکشی اور حق سے گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔ بھلا سوچو جو شخص منہ اوندھائے چل رہا ہو [۳۲] وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو؟ ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے، مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ [۳۳]

ان سے کہو، اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ [۳۴] یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ [۳۵]" کہو "اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، میں تو بس صاف صاف

ہر شئے کے لئے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لئے درکار ہیں اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے کہ اسکی پیدا کردہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات بہم پہنچیں۔

ف۳۱ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "رحمان کے سوا وہ کون ہے جو تمھارا لشکر بنا ہوا تمھاری دستگیری کرتا ہو"۔ ہم نے متن میں جو ترجمہ کیا ہے وہ آگے کے فقرے سے مناسبت رکھتا ہے اور اس دوسرے ترجمے کی مناسبت اوپر کے سلسلۂ کلام سے ہے۔

ف۳۲ یعنی جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اُسی ڈگر پر چلا جا رہا ہو جس پر کسی نے اسے ڈال دیا ہو۔

ف۳۳ یعنی اللہ نے تو تمھیں انسان بنایا تھا جانور نہیں بنایا تھا۔ تمھارا کام یہ نہیں تھا کہ جو گمراہی بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہو اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑو اور کچھ نہ سوچو کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ کان تمھیں اس لئے تو نہیں دیئے گئے تھے کہ جو شخص تمھیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھانے کی کوشش کرے اس کی بات سن کر نہ دو اور جو غلط سلط باتیں پہلے سے تمھارے دماغ میں بیٹھی ہوئی ہیں انھی پر اڑے رہو۔ یہ آنکھیں تمھیں اس لئے تو نہیں دی گئی تھیں کہ اندھے بن کر دوسروں کی پیروی کرتے رہو اور خود اپنی بینائی سے کام لے کر یہ نہ دیکھو کہ زمین سے آسمان تک ہر طرف جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ آیا اس توحید کی شہادت دے رہی ہیں جسے خدا کا رسولؐ پیش کر رہا ہے یا یہ شہادت دے رہی ہیں کہ یہ سارا نظام کائنات بے خدا ہے یا بہت سے خدا اس کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دل و دماغ بھی تمھیں اس لئے نہیں دیئے گئے تھے کہ تم سوچنے سمجھنے کا کام دوسروں کے حوالے کر کے ہر اُس طریقے کی پیروی کرنے لگو جو دنیا میں کسی نے جاری کر دیا ہے اور اپنی عقل سے کام لیکر یہ سوچنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرو کہ وہ غلط ہے یا صحیح۔ اللہ نے علم و عقل اور سماعت و بینائی کی یہ نعمتیں تمھیں حق شناسی کے لئے دی تھیں۔ تم ناشکری کر رہے ہو کہ ان سے اور سارے کام تو لیتے ہو مگر بس وہی ایک کام نہیں لیتے جس کیلئے یہ دی گئی تھیں (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حواشی ۷۲-۷۳۔ جلد سوم، المومنون، حواشی ۷۵-۷۶۔ جلد چہارم، السجدہ، حواشی ۱۷-۱۸۔ الاحقاف، حاشیہ ۳۱)۔

ف۳۴ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے ہر گوشۂ زمین سے گھیر لائے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے۔

ف۳۵ یہ سوال اس غرض کے لئے نہ تھا کہ وہ قیامت کا وقت اور اس کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر انھیں اُس کی آمد کا سال، مہینہ، دن اور وقت بتا دیا جائے تو وہ اسے مان لیں گے۔ بلکہ دراصل وہ اس کے آنے کو

خبردار کر دینے والا ہوں[۳۶]۔" پھر جب یہ اُس چیز کو قریب دیکھ لیں گے تو اُن سب لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے جنھوں نے انکار کیا ہے[۳۷] اور اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کے لئے تم تقاضے کر رہے تھے۔

ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ خواہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے، کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟[۳۸] ان سے کہو، وہ بڑا رحیم ہے، اُسی پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے[۳۹]۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا کون ہے۔ ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمھارے کنوؤں کا پانی زمین میں اُتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمھیں نکال کر لا دے گا؟[۴۰]

غیر ممکن اور بعید از عقل سمجھتے تھے اور یہ سوال اس غرض کے لئے کرتے تھے کہ اُسے جھٹلانے کا ایک بہانہ اُن کے ہاتھ آئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حشر و نشر کا یہ عجیب و غریب افسانہ جو تم ہمیں سنا رہے ہو آخر یہ کب ظہور میں آئیگا؟ اسے کس وقت کیلئے اُٹھا رکھا گیا ہے؟ ہماری آنکھوں کے سامنے لاکر اسے دکھا کیوں نہیں دیتے کہ ہمیں اس کا یقین آجائے؟ اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کوئی شخص اگر قیامت کا قائل ہو سکتا ہے تو عقلی دلائل سے ہو سکتا ہے اور قرآن میں جگہ جگہ وہ دلائل تفصیل کیساتھ دیدیئے گئے ہیں۔ رہی اُسکی تاریخ، تو قیامت کی بحث میں اُس کا سوال اٹھانا ایک جاہل آدمی ہی کا کام ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض وہ بتا بھی دی جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ ماننے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب وہ تمھاری بتائی ہوئی تاریخ پر آجائیگی تو مان لوں گا، آج آخر میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ اُس روز ضرور آجائیگی۔ (مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، لقمان، حاشیہ ۶۳۔ الاحزاب، حاشیہ ۱۱۶۔ سبا، حواشی ۵۔۸۔۴۸۔ یٰس، حاشیہ ۴۵)۔

[۳۶] یعنی یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ضرور آئیگی اور لوگوں کو اسکی آمد سے پہلے خبردار کر دینے کیلئے یہی جاننا کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ کب آئیگی تو اس کا علم اللہ کو ہے مجھے نہیں ہے۔ اور خبردار کرنے کیلئے اس علم کی کوئی حاجت نہیں۔ اس معاملے کو ایک مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ بات کہ کون شخص کب مریگا، اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ ہر شخص کو ایک دن مرنا ہے۔ ہمارا یہ علم اس بات کیلئے کافی ہے کہ ہم اپنے کسی غیر محتاط دوست کو یہ تنبیہ کریں کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مفاد کی حفاظت کا انتظام کر لے۔ اس تنبیہ کیلئے یہ جاننا ضروری نہیں کہ وہ کس روز مرے گا۔

[۳۷] یعنی ان کا وہی حال ہوگا جو پھانسی کے تختے کی طرف لے جائے جانے والے کسی مجرم کا ہوتا ہے۔

[۳۸] مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہوا اور قریش کے مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو گھر گھر حضور اور آپ کے ساتھیوں کو بد دعائیں دی جانے لگیں، جادو ٹونے کئے جانے لگے تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ حتیٰ کہ قتل کے منصوبے بھی سوچے جانے لگے۔ اس پر یہ فرمایا گیا کہ ان سے کہو، خواہ ہم ہلاک ہوں، یا خدا کے فضل سے زندہ رہیں، اس سے تمھیں کیا حاصل ہوگا؟ تم اپنی فکر کرو کہ خدا کے عذاب سے تم کیسے بچو گے۔

[۳۹] یعنی ہم خدا پر ایمان لائے ہیں اور تم اس سے انکار کر رہے ہو، ہمارا بھروسا خدا پر ہے اور تمھارا اپنے جتھوں اور اپنے وسائل اور اپنے معبودانِ غیر اللہ پر۔ اس لئے خدا کی رحمت کے مستحق ہم ہو سکتے ہیں نہ کہ تم۔

[۴۰] یعنی کیا خدا کے سوا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ان سوتوں کو پھر سے جاری کر دے؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر عبادت کا مستحق خدا ہے یا تمھارے وہ معبود جو انھیں جاری کرنے کی کوئی قدرت نہیں رکھتے؟ اس کے بعد تم خود اپنے ضمیر سے پوچھو کہ گمراہ خدائے واحد کو ماننے والے ہیں یا وہ جو شرک کر رہے ہیں؟

(مسلسل)

شرح صحیح مسلم

کتاب الایمان

احسان کیا ہے؟

تقدیر کے مسئلے سے بقدرِ ضرورت فارغ ہو کر اب "احسان" کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ مناسب ہوگا کہ قارئین اس موقعہ پر مئی ۱۹۷۱ء کا تجلّی کھول کر پوری حدیث ایک بار پھر پڑھ لیں۔ ہم وہاں تھوڑی سی وضاحت احسان کی بھی کر آئے ہیں۔

جبریلؑ نے حضورؐ سے دریافت کیا تھا:-

"اخبرنی عن الاحسان (مجھے بتائیے احسان کیا ہے؟)"

حضورؐ نے اس کا جواب دیا تھا:-

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمھیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔"

احسان کا مادّہ حُسن ہے جس کے معنی معروف ہیں۔ خوبصورتی۔ جمال و دلکشی۔ حُسن کی جمع خلافِ قیاس طور پر محاسن آتی ہے۔ صفت حَسَن۔ حَسِین۔ حاسِن۔

احسان کے دو معنی ہیں۔ بھلائی کرنا اور کسی کام کو اچھی طرح سے کرنا۔ ہم جب کسی کام کو عمدگی اور مضبوطی کے ساتھ انجام دیدیں تو کہیں گے اَحْسَنْتُ کذا۔ اور جب اپنے کسی اچھے کام سے دوسرے کو نفع پہنچادیں تو کہیں گے کہ اَحْسَنْتُ اِلٰی فلانٍ۔

لفظ احسان کا دین کی ایک خاص اصطلاح کی حیثیت سے مستعمل ہونا قرآن کی بنیادوں پر ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (بقرہ ۱۹۵)	اور بھلائی کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے بھلائی کرنے والوں کو

سورۂ مائدہ (آیت ۹۳) میں فرمایا گیا:-

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا	پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔

سورۂ یونس (آیت ۲۶) میں ارشاد ہوا:-

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ۔	جن لوگوں نے بھلائی کی ان کیلئے بھلائی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔

سورہ الرحمٰن (آیت ۶۰) میں ارشاد ہوا:-

ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔	بھلائی کا بدلہ کچھ نہیں سوائے بھلائی کے۔

اور بہت سی آیات ہیں جن میں یہ لفظ اسم و فعل دونوں شکلوں میں استعمال ہوا ہے۔ اصطلاحِ دینی کے اعتبار سے اس کا مفہوم مجرد بھلائی کرنا نہیں ہوتا بلکہ جب کسی کارِ خیر کو بظاہر کامل طور پر عمدہ طریقے سے انجام دیدیا جائے اس وقت "احسان" کا اطلاق ہوتا ہے۔ محاورۃً یوں کہئے کہ کسی نیکی کا پورا حق ادا کرنے کو "احسان" کہتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھی جائے اس کے تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی بجا آوری کے ساتھ تو اس کا نام "احسان" ہے۔

حضورؐ نے جبریلؑ کو جو جواب عطا فرمایا اس میں دو حالتوں کی طرف اشارہ پایا گیا۔ ایک یہ کہ بندے پر

مشاہدۂ حق کی کیفیات کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ ہر طرف باری تعالیٰ ہی کی تجلیات نظر آنے لگیں اور جملہ ماسوا حتیٰ کہ اپنی ذات بھی ان تجلیات کے ہجوم میں گم ہو جائے۔ دل و دماغ کی پہنائیوں پر انوارِ الٰہی کی ردائے بسیط اس طرح پھیل جائے کہ دوسرا ہر نقش اس کے پیچھے چھپ جائے۔ ہر ہر ذرّے میں ذاتِ حق کی جلوہ طرازی فقط ایک علمی نظریہ اور روایتی عقیدہ نہ رہے بلکہ مشاہدے اور مکاشفے کے درجے میں آ جائے۔ اس وقت بندہ اس کیفیت میں ہوگا گویا باری تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے احاطے اور ہجوم نے بعض اہل اللہ کی زبان سے "انا الحق" جیسے مغالطہ آفریں الفاظ کہلا دیئے اور قانونِ شریعت کو ان کے خلاف حرکت میں آنا پڑا۔ قانون بھی اپنی جگہ حق بجانب تھا اور یہ حضرات بھی باطل پر نہیں تھے مگر افتاد یہ پڑی کہ ان حضرات کے اعصابِ فکر اور اور قوائے ذہن اس طاقت دار کیفیت کا ایسا تحمل نہیں کر سکے جس سے داخلی مشاہدے اور قانونِ شرعی میں ہم آہنگی قائم رہتی اور وہ تصادم ظہور میں نہ آتا جس کے نتیجے میں قانون کے دیدۂ ظاہر نے انھیں مجرم قرار دیا۔

بہر حال یہ بحث الگ ہے۔ استغراقی کیفیات کا کچھ نہ کچھ تجربہ تو کم و بیش ہر شخص رکھتا ہے۔ آپ کسی گہری سوچ میں چلے جا رہے ہیں۔ آپ کا دوست بکر پاس سے گزر گیا مگر آپ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ حالانکہ اس کے جسم اور آپ کی آنکھوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ لیکن آپ کی استغراقی کیفیت حجاب بن گئی۔

کچھ ایسی ہی نوعیت تصورِ حق اور خیالِ باری میں مستغرق ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خارج میں پائی جانے والی مادّی اشکال اور مرئی اشیا نظروں سے اوجھل نہ ہونے کے باوجود اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جیسے ایک آئینے کے پیچھے سے تیز روشنی آ رہی ہے۔ آئینہ اس صورت میں غائب تو نہیں ہوتا۔ اس کے مدھم سے خطوط سامنے ہی رہتے ہیں لیکن نظریں تمام تر روشنی پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور آئینے کا وجود نہ ہونے کے درجے میں آ جاتا ہے۔ غرض تصور بندے کے سامنے ایک ہی جلوہ ہوتا ہے تعینات سے بے نیاز۔ بسیط و بیکراں۔ محیط اور ہمہ گیر۔ مادّی اجسام کی ذہنی تصویریں آئینے جیسی شفاف ہیئت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی وہ عالم ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اللہ کو گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کی ارفع و اعلیٰ شکل ہے بشرطیکہ قوائے باطنی اسے برداشت کر سکیں اور ایسی بے خودی پیدا نہ ہو کہ شرعی حدود کا بھی لحاظ باقی نہ رہے۔

دوسری حالت — جس کی طرف حضورؐ کے جواب میں اشارہ ہے یہ ہے کہ بندے کو ہر وقت یہ مستحضر رہے کہ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے اور کرے گا سب سے اللہ تعالیٰ مطلع ہے۔ خوب خوب آگاہ ہے۔ نہ صرف ظاہر کو بلکہ باطن کو بھی آخری تہوں تک دیکھ رہا ہے۔ نیتوں اور خیالوں اور وسوسوں اور واہموں تک پر اس کی نظر ہے۔ لہٰذا کسی کسی بھی نافرمانی اور کوتاہی کو اس سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی بھی غفلت اور تساہل کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ نہ کوئی نیکی ایسی ہے جو اس کی نظر میں آنے سے رہ جائے اور ثواب کی امید منقطع ہو جائے۔

یہ دونوں ہی حالتیں اللہ کی معرفت اور اس کے خوف میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں بطورِ تعبیر یہ الفاظ موجود ہیں کہ اَن تخشَی اللہَ کانّکَ تراہ (یہ کہ تو ڈرے اللہ سے اس طرح جیسے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے پا رہا ہے) اگر مثلاً ہم نماز میں کھڑے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں حضوری کا ایسا زندہ احساس ہمارے اندر موجود ہے کہ گویا اسے سامنے پا رہے ہیں تو ہم اپنے امکان بھر نماز کو عمدگی کے ساتھ ادا کریں گے اور دانستہ کسی خامی یا سستی کو راہ نہیں پانے دیں گے لیکن اگر احساس اس نوع کا نہ ہو اور بس اتنا ہی ہمیں استحضار رہے کہ باری تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں تب بھی ہمارا رویہ پہلی

روش سے مختلف نہ ہوگا۔ گویا دونوں حالتوں میں ثمرہ ایک ہی ہے۔ خشوع و خضوع، حسنِ تکمیل اور حقِ عبادت کی ادائگی۔ فرق بس اتنا ہے کہ پہلی حالت میں ہمارے طرزِ عمل کا مبنیٰ اور محرک نفس و طبیعت ہوں گے اور دوسری حالت میں فہم و شعور۔ مقصودِ حدیث اخلاص فی العبادت پر زور دینا ہے تاکہ بندہ مراقبۂ حق کے ذریعے خشوع و خضوع کا درجۂ اعلیٰ حاصل کرلے۔

علامہ سندیؒ بخاری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ خشوع و خضوع کی پوری رعایت ہی کا نام احسان ہے۔

ہمارے حضورؐ کا یہ فقرہ —— جس کے ذریعے آپؐ نے "احسان" کی تعریف کی اُن بیش بہا کلمات میں سمجھیے جن کی بنا پر حضورؐ کو جَوَامِعُ الْکَلِمْ کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک مختصر فقرے میں کئی کئی معانی اور جامعیت کے پہلو۔ غور فرمائیے اس فقرے نے عبادت کی تین حالتوں یا دوسرے لفظوں میں تین مقامات اور مدارج کو کس اختصار سے بیان کردیا۔

ایک مقام یہ ہے کہ عبادت کرنے والا ذہنی و قلبی اعتبار سے احسان کی کیفیت نہ رکھتا ہو یعنی نہ تو مشاہدۂ حق کی ارفع کیفیت اس پر طاری ہو نہ مراقبۂ حق کی لیکن وہ عبادت کے تمام فقہی آداب و شرائط پورے کردے اور ضوابط کی کوئی خامی اس میں نہ چھوڑے۔ یہ بھی احسان ہی کا ایک درجہ ہے اور یہی وہ درجہ ہے جو کسی عبادت کے ظاہراً مکمل ہونے کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے اس کا مکلف ہر شخص ہے خواہ وہ خاص ہو یا عام۔ عالم ہو یا غیر عالم۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ جن دو حالتوں کا ابھی ہم نے ذکر کیا ان میں سے پہلی حالت یعنی مشاہدۂ حق کی کیفیت تو بندے کو حاصل نہ ہو مگر دوسری حالت اس پر طاری ہو یعنی اس جاندار احساس کی کیفیت کہ اللہ اسے پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ اس مقام کو مقامِ مراقبہ کہتے ہیں۔ یہ اگرچہ سب سے اونچا مقام نہیں مگر پہلے مقام سے بلند ہے۔

اور تیسرا مقام یہ ہے کہ حالتِ عبادت میں بندے پر وہی کیفیت طاری ہو جسے حضورؐ نے کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے الفاظ میں بیان کیا ہے یعنی مشاہدے اور مکاشفے کی کیفیت۔ یہ مقام احسان کا سب سے اونچا مقام ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر فائز تھے۔ سنا ہوگا آپ نے ان کا یہ ارشاد جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک رکھدی گئی ہے) اس ارشاد کا صاف مطلب ہے کہ نماز میں —— جو تمام عبادتوں کا خلاصہ اور سرِتاج ہے حضورؐ کو غیر معمولی لذت و راحت حاصل ہوتی تھی۔ نماز میں کھڑے ہوتے ہی آپ کے قلب و ذہن ماسوا کی ہر جھلک اور تصور اور دخل اندازی سے بلند تر ہوکر تجلیاتِ باری کے سیلابِ نور میں غرقِ مشاہدہ ہوجاتے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ ذاتِ باری کی محبت آپ کی رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ نماز بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہی کا تو نام ہے۔ جب اس حاضری کی نوبت آتی تو آپ کے قلبِ منور کا گوشہ گوشہ اور ذہنِ مصفا کا کونہ کونہ حضوری کے احساس سے لبریز ہوجاتا۔ پھر جب قرأۃ کرتے ہوئے آپ یہ تصور فرماتے کہ میں اپنے رب، اپنے محبوب، اپنے محسنِ اکبر سے سرگوشی کررہا ہوں تو دنیا کے تمام تفکرات اور ماسوا کا ہر خیال طاقِ نسیاں میں چلا جاتا۔ اس وقت آپؐ ہوتے اور آپ کا رب۔ کشف و مشاہدہ ہوتا اور جلووں کی فضائے بسیط۔ یہ بے شک نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ کو آپ واقعی چشمِ سر سے دیکھ رہے ہوتے لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ تعینات سے منزہ، لفظ و بیان سے ماوراء اور سمت و جہت سے بلند تر ایسی تجلّی آپ کے پیشِ نظر ہوتی جسے قلبی مشاہدے اور داخلی مکاشفے سے کم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جسمانی تھکن کا احساس بھی آپ کو باقی نہیں رہتا تھا

یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ یہ مقامِ احسان جتنا ارفع ہے اتنا ہی نازک ہے۔ نزاکت اس میں آتی ہے کہ استغراق کے عالم میں سب کچھ بھول جانے کے باوجود عبادت کے وہ ارکان و ضوابط فراموش نہیں ہونے چاہئیں جن کا شریعت نے پابند بنایا ہے۔ ماورا سے ذہنی تعلق منقطع ہو مگر احکام شرعی سے منقطع نہ ہو۔ حافظے کی لوح کے تمام نقوش ماند پڑ جائیں مگر ان احکام کا نقش ماند نہ پڑے جو عبادت کی ظاہری شکل و ہیئت کو ظہور دیتے ہیں۔ نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ ہوش رہنا ضروری ہے کہ کس وقت کی نماز ہے کتنی رکعات پڑھنی ہیں۔ کب رکوع اور کب سجدہ کرنا ہوگا۔ روزہ رکھے ہوئے ہیں تو اس کے آداب و احکام نظر انداز نہ ہوں۔ اگر عالمِ استغراق اتنا ہوش بھی نہ باقی رہنے دے تو اسے کمال نہ کہیں گے بلکہ یہ دلیل ہوگی اہلیت کم ہونے کی۔

جنھیں مجذوب کہا جاتا ہے (ایسے اور دیوانے نہیں بلکہ واقعتًہ جن کے حواس کو مشاہدۂ حق نے مختل کر دیا ہے) ان کا درجہ بہت بلند نہیں کیونکہ وہ شریعت کی تعمیل سے معذور ہو گئے اور شریعت وہ فوق الفوق نعمت ہے جو ہر دوسری شے سے برتر اور تمام دنیا و مافیہا سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی تعمیل سے محرومی ایسی ہی ہے جیسے ہیرا چمک سے اور آنکھ روشنی سے محروم ہو جائے۔

یہاں بعض حضرات کو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ہم نے ابتداءً تو یہ کہا کہ حضورؐ کے ارشاد میں دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے۔ مگر بعد میں یہ کہا کہ اس سے تین مقامات یا تین حالتوں کی نشاندہی ہو گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے عبارت کا اشارہ دو ہی حالتوں کی طرف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں وضاحت کی ہے لیکن لفظی اشارت کے بغیر ہی عبارت نے ایک تیسری حالت کو بھی اپنے دائرے میں شامل کر لیا ہے اور وہ وہی ہے جسے ہم نے پہلے نمبر پر بیان کیا یعنی مکاشفے یا مراقبے کی کوئی کیفیت بندے کے دل و دماغ پر مستولی نہ ہو مگر وہ عبادت کو تمام ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کر دے۔

یہ حالت اس لئے شاملِ مفہوم ہوئی کہ عبادت کی ظاہری شکل اور ہیئت ٹھیک وہی رہی جو مطلوب ہے اور جس کے بارے میں حضورؐ تلقین فرما رہے ہیں کہ "بندہ با ایں طور عبادت کرے"۔ حدیث میں جن دو ذہنی کیفیتوں کا تذکرہ ہے وہ سر کی آنکھوں سے نظر آنے والی نہیں۔ ان کا مظہر تو فقط یہی ہے کہ بندہ عبادت کے تمام شرائط و ارکان اور آداب و لوازم کو بجا لائے۔ جب بندہ ظاہراً ایسا کر رہا ہے تو اس پر بھی احسان ہی کا اطلاق ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ معنًا اور کیفًا یہ احسان کا ادنیٰ درجہ ہو۔

تفصیل میں جائیے تو احسان کے کچھ مراتب اور بھی نکلتے ہیں جنھیں بعض علماء نے ـــــ خصوصًا علامہ بدر الدین عینیؒ نے بیان فرمایا ہے مگر ان کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ رویتِ باری کے متعلق کچھ عرض کرنا مفید ہوگا۔

ہم مئی ۷۲ء کی قسط میں بتا چکے ہیں کہ دنیاوی زندگی میں کسی بھی انسان کو خدا کا دیدار ممکن نہیں۔ دلیلِ نقلی کے طور پر حضورؐ کا یہ ارشاد بیان ہوا کہ انکم لن ترو اربکم حتی تموتوا (مسلم) دلیل عقلی کے ذیل میں امام مالکؒ کا یہ استدلال بڑا دلنشیں ہے کہ انسانی بصارت تو دنیا میں فنا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ایک فانی شے خدائے لافانی کو دیکھنے پر کیسے قادر ہو سکتی ہے۔ فانی کی عین فطرت میں کمزوری ہے۔ ضعف ہے۔ ناتمامی ہے۔ البتہ مرنے کے بعد جب انسان زندہ کیا جائے گا تو اسے قوائے غیر فانی عطا ہوں گے۔ پھر تو موت ہے ہی نہیں جسم اور اس کے تمام اعضا جاودانی۔ آنکھ بھی ابدی اور اس کی قوتِ نظارہ بھی ضعفِ فنا سے بالاتر۔ لہٰذا آخرت میں دیدارِ الٰہی ممکن ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو شبِ معراج میں۔

حضورؐ کا اللہ کو دیکھنا خارج از بحث قرار پایا کیونکہ آپ موت کے بعد نہیں موت سے قبل اسی دنیاوی جسم اور دنیاوی حیات کے ساتھ عالم بالا میں لے جائے گئے تھے آپکی بینائی وہی تھی جسے اللہ کے اٹل ضابطے کے مطابق ایک دن فنا سے دوچار ہونا تھا۔ پھر اس بینائی سے ذاتِ غیر فانی کا دیدار کیسے کرلیا۔

جواب دو ہیں۔ ایک یہ کہ بہت سے اور معاملوں کی طرح اس معاملے میں بھی حضورؐ کی ذات مستثنیٰ ہے۔ استثناء کے لئے "معجزے" کا عنوان رکھدیں تو کوئی مضائقہ نہیں معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو عام منطق اور عام قانونِ طبعی سے ماوراء ہو۔ جسے اسباب وعلل کے دائرے میں نہ گھیرا جاسکتا ہو۔ جو شعور وفہم کو عاجز کرنے والا ہو۔ اللہ کی مرضی بجائے خود سب سے بڑا اور بالاتر قانون ہے جس کے آگے ہر قانون ہر منطق ہیچ۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ کو حکم دے کہ کُونِی بَرداً وسلاماً تو آگ کی مجال نہیں کہ بدن پر ہلکا سا نشان بھی ڈال دے۔ چاند کو حکم دے کہ رسولؐ کے محض اشارۂ انگشت پر شق ہوجائے تو چاند کی مجال نہیں کہ سرتابی کرجائے۔ پہاڑوں اور کنکروں کو حکم دے کہ آواز سے بولیں تو ناممکن ہے کہ وہ نہ بولیں۔ پھر کیا استحالہ ہے اس میں کہ اپنے حکمِ خاص سے اللہ نے حضورؐ کی بینائی کو مشاہدۂ ذات کی استعداد عطا کردی ہو۔ معراج توسرتاپا معجزہ ہی معجزہ ہے۔ اس کی واردات کے کسی بھی جز کو عام منطق کی کسوٹی پر کیسے کسا جاسکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سفرِ معراج میں دیدارِ الٰہی کا واقعہ ملکوتِ اعلیٰ کا واقعہ ہے دنیا کا نہیں۔ دنیا کے قوانین دنیا کی حد تک ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ اور ملکوتِ اعلیٰ کے قوانین کو ان پر قیاس کرنا بجائے خود غیر منطقی ہے۔ دور کیوں جائیے ابھی چاند اور زمین ہی کے قوانین کا فرق آپ کے سامنے آگیا۔ زمین پر آپ کے اعضائے تنفس کی ہر حرکت لامحالہ بغیر ارادے اور محنت کے ہوا کو اندر گھسیٹ لے جائے گی اور پھر اس کے ایک خاص عنصر کو باہر بھی پھینک دے گی۔ یہ اٹل قانون ہے۔ ناممکن ہے کہ آپ کے اعضائے تنفس حرکت کریں اور ہوا اندر داخل نہ ہو۔ لیکن چاند پر یہی اٹل قانون غائب ہوگیا کیونکہ وہاں ہوا ہی نہیں ہلائے جائیے ہونٹ۔ سکیڑے جائیے تالو۔ فضا سے کوئی ردِ عمل موصول نہ ہوگا۔ اپنی ہوا ساتھ لے جائیے تب تو جینا ممکن۔ نہ لے جائیے تو موت اٹل۔

یہ ایک موٹی سی مثال ہے قانون میں تغیر کی۔ پھر چاند تو دور نہیں۔ وہ ہماری ہی کائنات کا ایک قریبی جرم ہے۔ ملاءِ اعلیٰ تو چیز ہی دوسری ہے۔ وہاں اگر ضابطے قطعاً مختلف ہوں تو تحیر کیا اور انکار کیوں۔

معتزلہ آخرت میں بھی دیدارِ الٰہی کو محال قرار دیتے ہیں مگر اہلِ سنت کا یہ مسلک نہیں۔ مزید بحث اس موضوع پر انشاء اللہ اس کے ٹھیک محل میں کی جائے گی۔

غور کیجئے تو یہ حدیثِ احسان تنہا وہ حدیث ہے جو تمام عبادتوں کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جو ایمان اور اعمال اور اخلاص کے درسِ بلیغ کی جامع ہے۔ جو آفاتِ اعمال سے تحفظ کا طریقہ بتاتی ہے اور کوئی شک نہیں کہ تمام علوم شریعت کا مرجع اور مطلوب وہی ہے جس پر اس حدیث نے متوجہ کیا۔ غالباً اسی لئے علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ مناسب ہوگا اگر اس حدیث کو اُمّ السُّنَّۃ کہا جائے کیونکہ وہ تمام علمِ سنت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ فاتحہ کو امّ الکتاب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ فی الجملہ تمام علومِ قرآنیہ کو عجیب ایجاز کے ساتھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ چنانچہ علامہ بغویؒ نے اپنی دو کتابوں المصابیح اور شرح السنّۃ کا آغاز حدیثِ احسان ہی سے کیا ہے۔

(جاری)

عظیم الشان تفاسیر (اردو مع عربی)

تفسیر ابن کثیر مکمل اردو مع عربی

علامہ ابن کثیرؒ کی معرکۃ الآراء تفسیر جو آب

۳۲ قسطوں میں مکمل ہوگئی ہے۔ فی قسط ڈھائی روپے ۲/۵۰
مکمل بلا جلد رعائتی ہدیہ ۔۔۔ ۷۵ روپے
مجلّد مع کور در چار جلد ۔۔۔ ۸۰ روپے

تفسیر حقانی (اردو مع عربی)

اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث عالمی شہرت کی حامل ہے۔ مکمل در ۲۷ قسط۔ فی قسط ہدیہ۔ دو روپے ۲/-
مکمل سیٹ لینے کی صورت میں رعائتی بلا جلد ۶۰/-
مکمل مجلّد در چار جلد مع کور ۔۔۔ ۶۴ روپے۔

تفسیر بیان القرآن (اردو مع عربی)

مولانا تھانویؒ کی مشہور و مقبول تفسیر

مکمل در ۳۰ قسط۔ فی قسط دو روپے۔ مکمل سیٹ بلا جلد ۶۰/-
مکمل سیٹ مع کور در تین جلد ۶۳ روپے۔

تفہیم القرآن

قرآن پاک کی یہ عام فہم تفسیر دورِ حاضر کے مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے عمر بھر کے مطالعہ و کاوش کا گرانبہا حاصل ہے۔ تفہیم القرآن کا مقصد یہ ہے کہ دورِ حاضر کا عام تعلیم یافتہ انسان قرآن کو سمجھ سکے ● عقلی استدلال ● سائنٹفک اسلوب بیان۔ ● زوردار ادبی زبان ● اہم تمدنی مسائل پر حکیمانہ بحث ● تفسیری اختلافات کا ناقدانہ جائزہ ● ہر سورۃ کیساتھ تعارفی تمہید ● تاریخی مباحث سے متعلق جغرافیائی نقشے ● ہر جلد کیساتھ موضوعات کا انڈکس۔ ● ارض القرآن سے متعلق عکسی تصاویر (کتابت و طباعت کاغذ سب معیاری)

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ انعام مجلد ۱۳/-، جلد دوم الاعراف تا بنی اسرائیل ۱۷/-، جلد سوم الکہف تا الروم ۱۹/-، جلد چہارم لقمان تا الاحقاف ۱۸/-

(اطلاعاً تحریر ہے کہ تفہیم کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں)

چند اعلیٰ درجے کے قرآن پاک

اکثر قرآن کے ہدیوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔

قرآن پاک ۳ لسانی

عربی، اُردو اور انگریزی ہر لحاظ سے معیاری۔ ہدیہ۔ تیس روپے۔

قرآن پاک ۳ لسانی

عربی، ہندی اور انگریزی ہر لحاظ سے عمدہ۔ ہدیہ مجلّد۔ پندرہ روپے

قرآن پاک مترجم ۶۱ بدو ترجمہ

۱۔ شاہ رفیع الدینؒ ۲۔ مولانا تھانویؒ

عکسی طباعت، کاغذ عمدہ۔ ہدیہ مجلّد۔ چودہ روپے ۱۴/-

قرآن پاک مترجم ۸۱

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ جلی حروف، عکسی طباعت، کاغذ و کتابت بہترین۔ ہدیہ۔ ساڑھے چودہ روپے ۱۴/۵۰

قرآن پاک مترجم ۶۴

ترجمہ مولانا اشرف علیؒ ۸۱ سے کچھ چھوٹے حروف۔ کتابت و کاغذ عمدہ۔ طباعت عکسی۔ ہدیہ۔ بارہ روپے ۱۲/-

تحفہ اور جہیز میں دینے والے قرآن

قرآن پاک مترجم ۲۸۱

ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ جلی حروف، عمدہ کتابت۔ بہترین عکسی طباعت، کاغذ سفید حاشیہ پر تفسیر اور رنگین حاشیہ، بے حد خوبصورت۔ مجلد۔ اُنیس روپے ۱۹/-

قرآن پاک مترجم ۲۶۴

ترجمہ مولانا اشرف علیؒ۔ حاشیہ پر تفسیر، رنگین حاشیہ۔ کتابت و طباعت کاغذ اور جلد سب معیاری۔ اس کے حروف ۲۸۱ سے کچھ چھوٹے ہیں۔ ہدیہ۔ سولہ روپے ۱۶/-

قرآن پاک بلا ترجمہ ۳۰

بہت روشن حروف۔ کتابت و طباعت، کاغذ سب معیاری۔ ہر سطر کے بعد باریک لائن۔

ہدیہ صرف ساڑھے نو روپے ۹/۵۰

مکتبۂ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

درسِ حدیث

دین کے تاجروں کا انجام

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ زمانہ آیا ہی چاہتا ہے جب اسلام کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن کے لفظوں کے علاوہ کچھ نہ بچے گا، مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت سے اُجڑی ہوئی ہوں گی۔ ان کے علماء اس آسمان تلے بدترین مخلوق ہوں گے کہ فتنہ ان ہی میں سے اُٹھے گا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا۔" (بیہقی)

حدیث پاک میں اس دور کی حالت بیان فرمائی گئی ہے کہ جب اسلام کی روح باقی نہ رہے گی محض نام رہ جائے گا۔ اسلام کا نام، قرآن کے الفاظ، مسجدوں کی صفیں اور علماء کی مسندیں بدستور موجود رہیں گی۔ اسلام زندہ باد کے نعرے خوب لگائے جائیں گے حسن قرأت اور حسن ترتیل کے مقابلے کرائے جائیں گے۔ مساجد کی زیبائش پر کروڑوں روپے خرچ ہوں گے۔ ایک ایک مسجد میں سیکڑوں باتنخواہ خدام موجود ہوں گے۔ لاکھوں علماء، خطباء، واعظین اور مفتی اور قاضی ہوں گے ——— مگر ہر ایک اسلام کی روح سے خالی ہوگا ایک ڈھانچہ باقی رہ جائے گا بے مغز اور بے روح ——— مساجد جائے امن نہ رہیں گی۔ ہدایت اور رشد کا مرکز نہ رہیں گی۔ علماء داعی اور مبلّغ نہ رہیں گے بلکہ مخلوقِ خدا کو اسلام سے دور بھگانے اور نفرت دلانے میں سرگرم ہوں گے۔ قرآن کے الفاظ کئی کئی لہجوں اور قراءتوں میں پڑھے جائیں گے مگر ان کا مطلب کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے اس پر کوئی توجہ نہ ہوگی۔ مساجد میں لوگ دنیاوی کاروبار اور مشاغل میں مصروف رہیں گے، ذکر و عبادت کا خیال اور احترامِ مسجد دلوں سے نکل جائے گا۔ علماء خود فتنے کھڑے کریں گے اور دوسروں کے پیدا کئے ہوئے فتنوں کو بھی بجائے ختم کرنے کے اور ہوا دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا پھیلایا ہوا فساد خود انھی پر پلٹ پڑے گا اور ان کا باہمی انتشار انھیں مٹا کر رکھدے گا۔

حدیثِ نبوی کی روشنی میں اپنے موجودہ دَور کی ایک دھندلی سی تصویر دیکھ لیجئے کس قدر عبرتناک انطباق دکھائی دیتا ہے ـــــ کیا ہم اس گمراہی اور ضلالت کے مصداق بننے سے عبرت حاصل نہیں کریں گے ؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "غم کے کنوئیں" سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ غم کا کنواں کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس میں کون داخل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ قرآن خواں جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔" (ترمذی)

"جبّ حزن" دوزخ کا ایک نہایت گہرا اور بیحد ہیبت ناک کنواں ہے اور یہاں ریاکار مولویوں اور قاریوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے جو دین کو تجارت یا کاروبار خیال کرتے ہیں جو قرآن کی آیات کو پڑھتے اور پڑھاتے بھی ہیں اور ان پر وعظ و نصیحت بھی کرتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دَورِ فتن استقامت کا حق

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ! تم اس وقت کیا کروگے جب تم ناکارہ لوگوں میں چھوڑ دیئے جاؤگے ان کے وعدے اور امانتیں ناپائیدار رہیں گی۔ وہ ان میں اُلجھ پڑیں گے۔ اور وہ اس طرح ہو جائیں گے یہ فرما کر آپؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے کے اندر داخل کیں اور فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا۔ حضور! میرے لئے ایسے زمانے میں اب کا کیا حکم ہے؟

فرمایا اس چیز کو اختیار کرو جس کو حق جانو اور جس کو غلط سمجھو اسے ترک کر دو اور خود کو سنبھالے رہو اور عام لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ ـــ ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ رہ، اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور اس چیز کو اختیار کر جس کو تو اچھا سمجھتا ہے اور جس کو تو برا سمجھتا ہے اسے چھوڑ دے۔ بس اپنے آپ کو سنبھال کر رکھ اور دوسروں کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھ۔

(ترمذی)

وہ دورِ فتن جس کی جانب حضورؐ کے مندرجہ بالا ارشاد میں اشارہ ہے اپنی پوری قہرمانیوں کے ساتھ نمودار ہو چکا ہے۔ انسانوں کا جمِ غفیر راستی اور حق کی سیدھی راہ کو چھوڑ کر باطل کی ٹیڑھی راہوں پر بھٹک رہا ہے۔ بدعہد جھوٹے اور خائن لوگوں نے مکر و فریب کے جالوں میں پھنسا کر مخلوقِ خدا کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ اختلافات کا ناسور ملّت کے جسد میں پوری طرح نفوذ کر چکا ہے۔ اور دن بدن اس تفرقہ بازی کے روگ کی ہلاکت خیزی کے اثرات نمایاں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اخوت کی ڈوریاں کٹ رہی ہیں۔ اتحاد کیلئے دینِ قیم کی پائیدار اور مشترک قدر کے بجائے مسلمانوں نے نسلی، لسانی اور علاقائی اشتراک کو اتحاد و تعاون کیلئے ضروری شرط قرار دے دیا ہے۔

بالکل یہی نقشہ ہے جس کی طرف حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اب نجات کا راستہ یہی رہ گیا ہے کہ ہر حال میں حق پر رہنے کی کوشش کی جائے اور غلط کاروں کی راہ پر چلنے سے زیادہ بہتر یہ بات ہے کہ خاموشی سے گھر بیٹھ کر اپنے ایمان اور عقیدے کی حفاظت کی جائے کتنے ہی دوزخی ایسے بھی ہیں جن کے منھ سے نفرت کی آگ برس کر گھر گھر میں نفرت کے شعلے بھڑکا رہی ہے ایسی تقریروں سے جو فتنوں کو ہوا دیتی ہوں بہتر ہے کہ آدمی کوئی بات ہی نہ کرے۔ کتنے ہی لکھنے والے صوبائی اور علاقائی عصبیتوں کو جگانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ فتنے کی خدمت میں لکھنے سے بہتر ہے کہ انسان قلم توڑ کر گھر بیٹھ رہے۔ اس دورِ فتن میں اپنے ایمان کی سلامتی میں کامیابی بہت بڑی کامیابی ہے اور اہلِ باطل سے عدم تعاون بہت بڑی عبادت ہے۔

سوالات بھیجتے ہوئے مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھیئے

• ایک وقت میں تین سوالوں سے زائد نہ ہوں • غیر ضروری طوالت نہ ہو • خط صاف ہو شکستہ اور کٹا پھٹا نہ ہو • آپ کا نام و پتہ بہت صاف ہو • فوری جواب کے طالب جوابی خط بھیجیں • سوالات کی کثرت کے باعث دس فی صد سوالات بھی بمشکل چھپ پاتے ہیں لہذا جواب اگر آپ ضروری ہی چاہتے ہیں تو ان سوالوں کے ساتھ بھی جوابی خط یا ٹکٹ رکھیئے، جنھیں اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ اگر اشاعت کی نوبت آئی تو خیر ورنہ ڈاک سے جواب بھیج دیا جائے گا۔
جن خطوط میں ان تفصیلات کو ملحوظ نہ رکھا گیا وہ ردّی کر دیئے جائیں گے اور ان کے سلسلے میں کوئی خط و کتابت نہ کیجائیگی۔
سوالات دریافت کرنے کیلئے تجلّی کا خریدار ہونا ضروری نہیں، ہر قاری سوال بھیج سکتا ہے۔ (ادارہ)

تجلّی کی ڈاک

خدا کا وجود

سوال ۱:۔ از:۔ سید صابر حسین۔ کھنڈوہ۔

میرا ایک بہترین دوست جس کو اس کے خیالات کی بناء پر فراموش کر چکا ہوں، اس کا یہ بیان ہے "خدا کہاں ہے اگر ہے تو مجھے دکھاؤ میں ہر اس چیز کو مانتا ہوں جسے دیکھ سکوں یا چھو سکوں۔ دنیا میں نہ اسلام ہے اور نہ ہی خدا" یہ ہیں میرے فاضل دوست محمد عابد جو گریجویٹ ہیں۔ آپ ایسا جواب دیں کہ وہ نیک راہ پر آجائیں اور خدائے پاک بے نیاز پر ایمان لے آئیں۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہونگا اللہ تعالیٰ انھیں عقلِ سلیم عطا کرے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن میری کوشش بے کار رہی۔

جواب ۱:۔

آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ دوست سے آپ تعلق منقطع کر چکے ہیں۔ پھر آخر انھیں آپ کہاں اور کس طرح سمجھائیں گے۔

یہ بھی وضاحت ضروری تھی کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔ ذہین یا کُند ذہن۔ خوش مزاج یا بد دماغ۔ معقولیت پسند یا ضدی۔ اگر وہ دوسری قسم میں داخل ہیں تو انھیں سمجھانا بیکار ہے۔ ان کے چکر میں آپ اپنا وقت برباد نہ کریں اور انھیں اللہ کے سپرد کر دیں۔

لیکن اگر وہ پہلی قسم کے آدمی ہیں تو ممکن ہے محنت ٹھکانے لگ جائے۔ انھیں بلا کر پہلے کچھ کھلایئے پلایئے پھر دوستانہ فضا میں نرمی اور غمخواری کے ساتھ سمجھایئے کہ بھائی دنیا میں بہتیری چیزیں ایسی ہیں جنھیں آپ دیکھے اور چھوئے بغیر مانتے ہیں۔ مثلاً غم۔ خوشی۔ درد۔ بجلی۔ کشش۔ زندگی۔ ان میں سے کونسی شے ہے جسے آپ نے آنکھوں سے دیکھا یا ہاتھوں سے چھوا ہو۔ زید غمگین ہے۔ آپ نہ غم کو دیکھ رہے ہیں نہ چھو رہے ہیں مگر آثار و علامات ہی کے تحت بلا تکلف یقین کر رہے ہیں کہ اسے غم لاحق ہے۔ یہی حال خوشی اور درد کا ہے۔ بجلی کی حقیقت اور اصلیت کسی کو نہیں معلوم

حتیٰ کہ بڑے بڑے سائنس داں بھی ناواقف ہیں۔ انھوں نے اب تک جو کچھ معلوم کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ بجلی کا طریقِ عمل کیا ہے لیکن خود بجلی کی حقیقت اور شکل ان کی دسترس سے باہر ہے۔ انھوں نے الکٹرون کی اصطلاح سے حقیقت کی تعبیر کرنی چاہی لیکن خود الیکٹرون ایک مفروضے سے زیادہ نہیں۔ ہم اور آپ جلتا ہوا بلب دیکھ کر بجلی کے وجود پر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ روشنی اور بجلی ایک ایک ہی چیز کے دو نام نہیں۔ روشنی تو دھوپ بھی ہے۔ چاندنی بھی ہے۔ وہ چراغ بھی ہے جو تیل سے جل رہا ہے۔ تار جس کرنٹ سے جل رہے ہیں وہ ہم نے نہیں دیکھا۔ جہاں تک چھونے کا تعلق ہے کرنٹ ہمارا خون ضرور چوس لیتا ہے۔ ہمیں جھٹکی ضرور دے دیتا ہے لیکن یہ تو اس کا اثر اور طریقِ عمل ہے۔ اس کی اپنی حقیقت اور جسم کو ہم نہیں چھو سکے۔

کشش کی مثال اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس کا وجود صرف عقلی استدلال کے تحت تسلیم کر لیا گیا ہے ورنہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا نہ ہاتھ نے اسے چھوا۔ اسی طرح "زندگی" بھی دیکھنے اور چھونے سے ماورا ہے۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ زندگی کے مظاہر اور آثار و علائم ہیں خود "زندگی" کیا ہے، یہ مسئلہ جوں کا توں لاینحل ہے۔ قرآن نے اسے "امرِ رب" کہا ہے۔ مومن مطمئن ہو گیا۔ امرِ رب کے سوا کوئی بھی تسلی بخش تعبیر یا توجیہ کسی نے اور کی ہو تو اپنے دوست سے اس کی تفصیل پوچھئے۔

ذی حیات جسموں کی حرکت و جنبش اور قوتِ نمو ہی کی دلیل سے ہم "حیات" کے وجود پر مطمئن ہوئے ورنہ "حیات" کو آنکھوں سے دیکھنے یا ہاتھوں سے چھونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے پھر آخر خدا کو ماننے کے لئے یہ شرط عائد کرنا کہاں کی معقولیت ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر آئے یا ہاتھوں سے چھو لیا جائے۔ رنج و مسرت اور برق و کشش وغیرہ سے بھی بڑھ کر صراحت اور کثرت کے ساتھ وجودِ خداوندی کے مظاہر، آثار، قرائن اور دلائل ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں۔ خود ہماری ذات میں ان کا انبار ہے۔ اگر پھر بھی ہم اندھے بنے رہیں تو اس میں قصور ہمارا ہی ہوگا نہ کہ حقائق کا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر چمگادڑ دن کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج غریب کا کیا قصور)

قوم اور دوست!

سوال ۲؎ :۔ (ایضاً)

ہم دوستوں میں ایک دن اس بات پر بحث چلی کہ قوم اور دوست میں کس کا معیار بلند ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ قوم کے سامنے دوستی کوئی اہمیت نہیں رکھتی حالانکہ دوستی اپنی جگہ محدود ہے۔ قوم کا معیار دوستی کے سامنے نہایت بلند ترین ہے۔ آپ کی صائب رائے سے ہم لوگوں کی غلط فہمی دور ہو سکتی ہے۔

جواب ۲؎ :۔

ہر چیز کا اپنا ایک مقام اور معیار ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ تقابل اور موازنہ ہی کیا جائے۔ اہلِ اسلام کے لئے صحیح طریقِ فکر یہ ہے کہ قرآن و سنت کے دیئے ہوئے معیاروں کو ملحوظ رکھیں اور فضولیوں کے مباحث میں وقت نہ گنوائیں۔

دوستی اپنی جگہ اور قوم پروری اپنی جگہ۔ دونوں کے تقاضے ساتھ ساتھ نباہے جا سکتے ہیں۔ اگر کسی موقعہ پر دونوں کے تقاضے متصادم ہوں اور دونوں کے نباہ کی کوئی شکل نہ نکلتی ہو تو اللہ اور رسولؐ سے معلوم کیا جائے گا کہ ہم کیا کریں۔

ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ "قوم" کا لفظ آج ایک ایسی اصطلاح بن چکا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس اصطلاح کی آڑ لے کر انصاف کا خون کیا جاتا ہے۔ مظالم کی ہمت افزائی

کی جاتی ہے۔ جائز حقوق مارے جاتے ہیں۔ گردنیں کاٹی جاتی ہیں۔ لہٰذا ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ اس لفظ کے چکر میں نہ پڑیئے۔

قَابَ قَوسَین

سوال:۔ از۔ ڈاکٹر ضیاء الدین۔ بہرائچ۔

اگست ۵۷ء کا تجلی میرے ہاتھوں میں ہے۔ صفحہ ۱۳ کالم ۲ کی آخری لائنوں پر آپ نے معراجِ نبوی کو جسمانی ثابت کرنے میں قاب قوسین آیت کا حوالہ دیا ہے۔

تفہیم القرآن اور دیگر قرآن مترجم دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاب قوسین والی آیتوں میں نبی کریمؐ کے بجائے جبریلؑ کو اس کا فاعل مانا گیا ہے۔ آپ نے بھی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مؤخر الذکر کو "پچھلے قرب کے شماروں میں اپنایا ہے۔ پھر یہ تضاد کیسا؟

اُمید ہے آئندہ اشاعت میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

جواب:۔

سورۃ النجم کی آیت قَابَ قَوسَین اَو اَدنیٰ کا جو ذکر اگست ۵۷ء والے متذکرہ جواب میں کیا گیا تھا وہ ضمناً اور اشارۃً تھا۔ شاید اسی لئے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب آگئے کہ دونوں کے درمیان ایک کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ جن حضرات کو یہ خوش فہمی ہوئی ہے کہ یہ فاصلہ اللہ کے اور حضورؐ کے مابین بیان ہوا ہے ان کے نقطۂ نظر سے ماقبل کی آیت دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا فاعل اللہ ہونا چاہیئے۔ یعنی اللہ اور زیادہ قریب ہوا اور لٹک آیا۔ مگر یہ نقطۂ نظر یقینی طور پر غلط ہے اور ان دونوں افعال (دنیٰ اور تدلّٰی) کا فاعل جبریلؑ ہیں۔ یعنی حضورؐ نے ابتداءً جبریلؑ کو اُفقِ اعلیٰ پر دیکھا پھر جبریلؑ آپؐ کے قریب آگئے یہاں تک کہ ان کے اور آپؐ کے درمیان کم و بیش ایک کمان کا فاصلہ رہ گیا۔

اس تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بحث نبیِ کریمؐ کے فاعل ہونے کی نہیں بلکہ اللہ یا جبریلؑ کے فاعل ہونے کی ہے۔ یہ تو متفق علیہ ہے کہ جن دو ہستیوں کے درمیانی فاصلے کا ذکر قرآن کر رہا ہے ان میں سے ایک حضور ہیں۔ دوسری ہستی جبریلؑ کی ہے یا باری تعالیٰ کی یہ ہے نکتۂ اختلاف۔ لیکن فی الاصل یہ کوئی علمی اختلاف نہیں۔ علمی حیثیت سے قطعی طور پر دَنیٰ فتدلّٰی کا فاعل جبریلؑ ہیں نہ کہ باری تعالیٰ۔ محض جذباتی خوش عقیدگی اور عجوبہ پسندی نے یہ شوشہ نکال دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قدر قریب آگئے۔ حالانکہ اگر رویتِ باری اور قربِ الٰہی کا ذکر قرآن کا مقصود ہوتا تو یہ الفاظ نہ کہے جاتے کہ "پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا"۔ یہ الفاظ صریح طور پر ایسی جسمانی حرکت و جنبش اور نقلِ مکانی کا پتہ دیتے ہیں جو مخلوق کے ساتھ مخصوص ہے۔ باری تعالیٰ جسم سے منزّہ ہے۔ وہ تو سراپا نور اور تجلی ہے لہٰذا اس کے قرب و بُعد کو اس طرح کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اگست ۵۷ء میں ہم نے معراجِ روحانی کے عقیدے پر تعریض کرتے ہوئے قاب قوسین کی آیت کا اشارۃً ذکر کیا تھا۔ نہ جانے آپ نے یہ نتیجہ کیوں اخذ کر لیا کہ اس ذکر کے وقت ہم آیت کا وہ مفہوم نہیں لے رہے تھے جو "پچھلے قرب کے شماروں میں" لیا ہے۔ حالانکہ اُس وقت بھی مفہوم یہی تھا کہ حضرت جبریلؑ اور نبی کریمؐ کے درمیان تقریباً کمان بھر فاصلہ رہ گیا۔ یہ نہیں تھا کہ باری تعالیٰ اور نبی کریمؐ کے درمیان اتنا فاصلہ رہ گیا۔ اس کے باوجود معراجِ روحانی کے عقیدے کی تردید میں اسے لانا کوئی پیچیدہ بات نہیں بشرطیکہ آپ قرآن کھول کر پوری سورۃ النجم کا مطالعہ فرمائیں۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ جو فرشتہ اللہ کی طرف سے رسولؐ کو پیغامِ وحی لا کر دیتا تھا اسے اس کی اصلی شکل

ہیں رسولؐ نے بچشم سر دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ اس طرح کہ پہلے یہ فرشتہ آپؐ کو آسمان کے اونچے کنارے پر نظر آیا پھر وہ قریب آتا چلا گیا، یہاں تک کہ بالکل ہی قریب آگیا۔ اور دوسری مرتبہ اس طرح کہ یہ فرشتہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترا تھا اور آپؐ کی آنکھ اسے پوری درستگی، اطمینان یقین اور خیرگی کے بغیر دیکھ رہی تھی۔ (وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى آیت ۱۳ تا ۱۷)

اہلِ علم و تحقیق متفق ہیں کہ دوسری مرتبہ کے دیدار کا تعلق شبِ معراج سے ہے۔ یہ دیدار اگر جاگتے میں نہ ہو خواب میں ہو یا اس کا تعلق جسمانی نوع کے مشاہدے سے نہ ہو بلکہ معنوی اور روحانی قبیل سے ہو تو اول تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نہ تو آپؐ کی نگاہ بہکی نہ بھٹکی) یہ جملہ صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو مکمل اطمینان دلا رہے ہیں کہ رسولؐ نے وحی لانے والے فرشتے کو اس کی حقیقی شکل میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

دوسرے اس آیت میں رویت کا جو بھی مفہوم لیا جائے گا وہی مفہوم لازماً قابَ قوسین والی رویت کا بھی لینا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سلسلۂ کلام میں ایک ہی مضمون کے طور پر دو رویتوں کو بیان کیا ہے۔ دونوں رویتیں نوعیت اور حقیقت کے اعتبار سے یکساں ہونی چاہئیں۔

اب کھلی بات ہے کہ قاب قوسین میں جس رویت کا ذکر ہے وہ چشمِ سر کی رویت ہے۔ حالتِ بیداری کی رویت ہے۔ ٹھیک ایسا ہی مشاہدہ ہے جیسا ہم سب عالمِ ظاہر میں محسوس و مشہود چیزوں کا کرتے ہیں۔ لہٰذا دوسرا شبِ معراج کا مشاہدہ بھی لازماً اسی نوع کا ماننا ہوگا۔ پھر معراج کو روحانی اور غیر جسمانی کہنے کی گنجائش کہاں۔

آپ کے سوال کا جواب تو ہو گیا۔ لگے ہاتھوں ایک اور شبہ کا ازالہ کرتے چلیں جسے معراج روحانی کے معتقدین بطورِ دلیل استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (جھوٹ نہیں کہا رسولؐ کے دل نے جو دیکھا) اس سے بادی النظر میں یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ جس دیکھنے کا ذکر ہو رہا ہے وہ ایسا عام دیکھنا نہیں جس کا تعلق صرف آنکھوں سے ہوتا ہے بلکہ کوئی مخصوص قسم کا دیکھنا ہے جس میں دل کی بھی شمولیت رہی ہوگی۔ اس طرح وہ دعویٰ کمزور پڑ جاتا ہے کہ حضورؐ نے جبریلؑ کو ٹھیک اسی طرح سر کی آنکھوں سے دیکھا جس طرح دنیا میں ہر شخص ایک دوسرے کو اور مختلف مشہود چیزوں کو دیکھتا ہے۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہم انسانوں کے مشاہدے اور رویت میں ہمیشہ دو قسمیں موجود رہی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم جس چیز کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اس کے بارے میں ہمارا قلب مطمئن ہوتا ہے کہ ہمارے مشاہدے میں کوئی نقص اور دھوکا نہیں۔ دوسرے یہ کہ دیکھنے کے باوجود ہمارا قلب مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اس میں یہ احساس موجود ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی نقص اور دھوکا واقع ہو رہا ہے۔

پہلی قسم کی مثالیں محتاجِ ذکر نہیں۔ ہمارا بیٹا یا کوئی عزیز یا دوست ہمارے سامنے آیا اور ہم نے اس پر نظر ڈالی تو ہمارا قلب یکسر مطمئن رہا کہ مشاہدے میں کوئی خامی اور فریب نہیں۔

دوسری قسم کی مثال میں اُن مشاہدوں کو رکھیے جن سے ہمیں کسی بازی گر کسی شعبدہ باز کسی ساحر کے کھیل تماشوں کے دوران سابقہ پیش آتا ہے۔ بازی گر نے اسٹیج کی میز پہ مرغی کا انڈا رکھا پھر اس پر اپنے سر کا ہیٹ ڈھک دیا۔ اب وہ چند لمحے چرب زبانی کرنے کے بعد ہیٹ اٹھاتا ہے تو بجائے انڈے کے وہاں کبوتر غٹرغوں کرتا نظر آتا ہے یہ سب آپ دیکھ رہے ہیں۔ جاگتے میں پورے ہوش و حواس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کا دل یقیناً اسے جھٹلا رہا ہے۔ اس میں یہ یقین موجود ہے کہ جو کچھ نظر آیا وہ حقیقت نہیں فریب ہے۔ نظر بندی ہے۔ شعبدہ بازی

ہے۔

خواب میں آپ نے دیکھا کہ زید اپنے بازوؤں کو پروں کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے فضا میں بلند ہوتا جا رہا ہے یا ایک اونٹ چوہے کے بل میں داخل ہو کر غائب ہو گیا ہے اب جاگنے کے بعد یہ خواب آپ کی لوحِ حافظہ پر کتنی ہی پختگی کے ساتھ موجود ہو مگر آپ کا قلب اس کی تصدیق نہیں کریگا بلکہ صاف جھٹلا دے گا۔

تو معلوم ہوا کہ دیکھنا خواہ جاگتے میں ہو یا سوتے میں وہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ دل اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اب آیتِ مذکورہ کو اس کے سیاق و سباق میں دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سلسلۂ وحی کوئی موہوم چیز نہیں جس کی تاویل و توجیہہ میں اقرار و انکار دونوں طرح کی گنجائش ہو۔ وہ تو ایک واضح اور مشہود خارجی حقیقت ہے جو فرشتہ وحی لانے پر مامور ہے اسے بھی رسولؐ اسی طرح سر کی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے جس طرح دنیا کی دوسری چیزیں اور اجسام دیکھے جاتے ہیں اور دیکھتے وقت اس کے دل کی وہ کیفیت نہیں تھی جو جادو یا مسمریزم یا نظربندی یا شعبدہ بازی کے کارنامے دیکھتے وقت انسان کی ہوتی ہے بلکہ اس کا دل پوری طرح مطمئن تھا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے حقیقت ہے۔ ریب سے بالاتر۔ دو اور دو چار کی طرح قابلِ وثوق۔ دھوکے اور مغالطے کی آمیزش سے پاک۔

قرآن کے اس صاف و سادہ مدعا کو نظرانداز کر کے یہ گمان کرنا کہ یہاں رویت کی کوئی خاص، پیچیدہ اور روحانی قسم کا ذکر ہے محض مغالطہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

حرمت و حلت

سوال:۔ از۔ محمد عبدالمتین۔ حیدرآباد۔

میرے والد محترم موٹر میکانیک ہیں اور ہمارے کارخانے میں اکثر موٹریں آتی ہیں، جو شراب کا دھندہ کرنے والوں کی ہوتی ہیں۔ میرے والد اُن موٹروں کو واپس کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شراب کا دھندہ کرنے والوں کی موٹروں کو درست کر کے اُجرت میں شراب والوں کی حرام کمائی حاصل کرنا بھی میرے نزدیک حرام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم کو اُن موٹروالوں اور اُن کے دھندوں سے کیا سروکار؟ ہم تو اپنی محنت کی اُجرت حاصل کرتے ہیں اور یہ کمائی ہمارے نزدیک کیسے حرام ہو سکتی ہے؟

جواب:۔

آپ کے والدِ محترم بہت نیک دل اور متقی معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان میں برکت دے اور دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرمائے۔

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے رائے آپ ہی کی درست ہے آپ کے والد صاحب کی نہیں۔ شراب کی خرید و فروخت میں براہِ راست کسی قسم کی مدد کرنا یقیناً حرام ہے چنانچہ جس ٹرک میں شراب کے ڈرم بھرے ہوں وہ اگر بگڑ جائے تو اس کی مرمت کرنا داخلِ گناہ ہو سکتا ہے۔ لیکن مجرد یہ بات کہ ٹرک یا موٹر کے مالک شراب کا کاروبار کرتے ہیں مرمت کو داخلِ گناہ نہیں کرتی۔ جو موٹر آپ کے ورکشاپ میں برائے مرمت لائی گئی ہے اگر اس پر شراب لدی ہوئی نہیں تو اس کی مرمت کر کے اُجرت وصول کرنا قطعاً حلال ہے خواہ بعد میں اسے اس کے مالک شراب ڈھونے میں استعمال کریں یا ڈاکہ ڈالنے میں۔

میاں بیوی کا جوا

سوال:۔ از۔ محمود علی۔ حیدرآباد۔

یہاں پر ۸ راکتوبر ۷۰ء کو حیدرآباد کے ایک عالم جناب حمیدالدین عاقل حسامی جو پیری مریدی بھی کرتے ہیں۔ یہاں پر ایک دینی مدرسہ کے جلسۂ سالانہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ تاش کھیلنے کا جواز ظاہر کیا۔ نہ صرف جواز بلکہ پیسے لگا کر بھی کھیلنے کو جائز قرار دیا۔ اس کی تاویل یہ کی کہ یہ پیسہ گھر کے گھر ہی میں رہے گا۔

جواب:۔ تاش کھیلنے کو فقہاء جائز نہیں کہتے

کیونکہ اس میں تصویریں ہوتی ہیں اور تصویروں سے دُور بھاگنا اس لئے ضروری ہے کہ جاندار کی تصویر شریعت میں حرام ہے۔

- ایسی صورت میں میاں بیوی کا باہم تاش کھیلنا اُسی وقت جائز تصور کیا جا سکتا ہے جبکہ اسے بھی "جنسی تعلق" کے مانند سمجھ لیا جائے کہ زن و شوہر کے مابین حلال اور دیگر مرد و زن کے مابین حرام۔ لیکن ایسا سمجھنے کے لئے کوئی دلیل نہیں اس لئے ہم فاضل مقرر سے اتفاق نہیں کر سکتے۔

رہا پیسے لگا کر کھیلنا —— تو پھر گھر میں رہنے کی دلیل سے تو باپ اور بیٹے، بھائی اور بہن، ماں اور صاحبزادے کے درمیان بھی جوا جائز ہونا چاہئے۔ خدا جانے موصوف نے ایسا دلچسپ فتویٰ کیونکر دے دیا۔ کم سے کم یہی سوچنا چاہئے تھا کہ میاں بیوی کو پیسے لگا کر کھیلنے کا چسکا پڑ جائے تو وہ کل کلاں کو کسی کلب یا کارنیوال یا کسی اور جگہ بھی اس شغل تک کو دہرا سکتے ہیں۔

غیر ضروری دماغ سوزی

سوال ۱۲:- از- قیصر انصاری- کامٹی-

...... میرے ذہن میں ایک سوال ہے کہ "دنیا کی سب سے بیش قیمت اور پائیدار شے کیا ہے"۔ — میں خود بھی اس پر سوچا کرتا ہوں اور رفقاء سے بھی گفتگو کیا کرتا ہوں۔ ایک دوست کا جواب ہے "ایمان"۔ ایک دوسرے رفیق کہتے ہیں "انسان کا اپنا وجود" — اس سلسلے میں ان کے اپنے دلائل بھی ہیں۔ آپ سے گذارش یہ ہے کہ ایمان و انسان اور دنیا و آخرت سے متعلق زندگی میں اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ اُمید کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

جواب ۱۲:-

اللہ نے غور و فکر کی جو صلاحیتیں عطا کی ہیں انھیں مفید اور بار آور کاموں میں صرف کیجئے۔ لاحاصل اور خیالی بحثوں کے لئے وہ زمانہ زیادہ موزوں ہوتا ہے جب ہر طرف خیریت ہی خیریت ہو اور کرنے کا کوئی کام باقی نہ رہ گیا ہو۔

دنیا میں "پائیدار" تو کوئی بھی چیز نہیں۔ فرق صرف مدت کا ہے۔ کم یا زیادہ مدت میں ہر شئے فنا کے گھاٹ اُتر جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے ذاتِ باری کے۔ سورۂ قصص) پھر کیا فائدہ ہے کہ فانی اشیاء میں تقابل اور موازنے پر وقت برباد کیا جائے۔

رہا بیش قیمت کا سوال۔ تو ظاہر ہے کہ "ایمان" سے بڑھ کر قیمتی چیز دوسری نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر نجاتِ اُخروی کا مدار ہے۔ مگر ایمان اور بے ایمانی یا اسلام اور کفر کا مدار چونکہ خود وجودِ انسانی پر ہے اس لئے وجودِ انسانی کی بنیادی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بحث ختم۔ آگے اس کنج کاوی میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں کہ ایمان زیادہ قیمتی ہوا یا وجودِ انسانی۔ اگر خواہ مخواہ بات بڑھائیں گے تو حاصل صرف یہ نکلے گا کہ:-

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

عدت کے بغیر نکاحِ ثانی

سوال ۱۳:- از- شبیر علی- کریم نگر-

ہمارے محلّے کی ایک محترمہ چند مہینے پہلے اپنے شوہر سے لڑ کر اپنے میکے آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ گذشتہ ماہ ان کا خلع ہو گیا اور اسی ہفتے میں اُن کا نکاح دوسرے مقام پر کسی اور صاحب سے ہو گیا، ازراہِ مہربانی قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ بتائیے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ضرور بتائیں۔

جواب ۱۳:-

درست طریقہ تو یہ تھا کہ یہ خاتون خلع ملنے کے دن سے عدت گذارتیں اور ایامِ عدت پورے ہو جانے

کے بعد نکاح ثانی کرتیں۔ لیکن انھوں نے ویسا نہیں کیا تو گناہ کی بات کی۔ تاہم نکاح منعقد ہو گیا ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اسے قاضی کے یہاں چیلنج کیا جا سکتا تھا مگر بحالتِ موجودہ چیلنج کا کوئی سوال نہیں۔

دادا کی وراثت

سوال:- از۔ پیر نور الدین خطیب۔ بارہ مولہ۔

دادا زندہ ہے۔ بیٹا مر گیا۔ مگر دادے کی اور کچھ اولاد زندہ ہے۔ اور جو بیٹا مر گیا ہے اُس کی بھی کچھ اولاد ہے اس صورت میں وراثت پھر دادے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور مرحوم بیٹے کی اولاد محروم ہو جاتی ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس جگہ مذہب نے ناانصافی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اگر دادا ان بچوں کی پرورش نہیں کرے گا تو اُن کی کیا صورت رہے گی۔ یا اگر ترکہ میں سے کچھ نہ دے گا تو وہ بچے لاوارث ہو کر در بدر پھریں گے۔

جواب:-

اچھی طرح سمجھ لینے کی بات ہے کہ وراثت کے مسائل فقہاء کے اجتہادی مسائل نہیں ہیں بلکہ قرآن میں انکی تفصیل موجود ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ ان میں ردّ و بدل کرے اس کے باوجود اگر بعض مسلمان اسے ناانصافی قرار دیتے ہیں کہ اللہ نے پوتوں کو وارث نہیں بنایا تو انھیں اسلام چھوڑ کر کسی اور مذہب کا دامن پکڑنا چاہئیے جسے وہ سراپا عدل سمجھتے ہوں۔

یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ کسی بھی شخص کا مال اس کی زندگی میں مالِ وراثت نہیں بنتا اور کوئی شخص دوسرے کے مال کا وارث قرار نہیں پاتا جب تک کہ یہ دوسرا شخص مر نہ جائے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وراثت زندوں کو پہنچتی ہے مُردوں کو نہیں۔

یہ دونوں اساسی قاعدے ملحوظ رکھ کر سوچئیے کہ زید کی زندگی ہی میں اس کا بیٹا بکر مر گیا تو اسے حقِ وراثت پہنچا ہی کہاں؟ اور حقِ وراثت نہیں پہنچا تو یہ کہنا آپ سے آپ غلط ہو گیا کہ اس کا حقِ وراثت اولاد کی طرف منتقل ہونے کے بجائے باپ کی طرف منتقل ہو گیا۔ انتقال اس شئے کا ہوتا ہے جو وجود رکھتی ہو۔ یہاں بکر کے لئے حقِ وراثت کا وجود ہی نہیں پھر انتقال کیا معنی۔

دادا اگر واقعی یہ چاہتا ہے کہ اس کے مرحوم بیٹے کی اولاد بھی اس کے ترکے سے فائدہ اٹھائے تو اسے وصیت سے کس نے روکا ہے۔ وصیت کے بارے میں ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ ایک تہائی مال کی حد تک نافذ ہو جاتی ہے۔ فرض کیجئے زید کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹا بکر اس کی زندگی ہی میں کتنے بچے چھوڑ کر مر گیا تو دادا بہت آسانی سے ان بچوں کے حق میں وصیت کر سکتا ہے۔ مان لیجئے اس کا اثاثہ چھ ہزار ہے۔ تو دو ہزار تک وہ ان بچوں کے لئے وصیت میں مخصوص کر سکتا ہے۔

وصیت کے علاوہ اپنی زندگی ہی میں اسے کس نے روکا ہے کہ جتنا مال اور جائداد چاہے مرحوم بکر کے عیال کو دے ڈالے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مرحوم بیٹے کے اہل و عیال کو مالی امداد پہنچانے کی جائز اور سہل صورتوں پر عمل کرنے کی نصیحت داداؤں کو کی نہیں جاتی مگر جب وہ مر جاتے ہیں تو عقلِ کُل حضرات رحم و کرم کا مجسمہ بنکر مطالبہ کرتے ہیں کہ خدائی قانون کو توڑتے ہوئے پوتوں کو بھی ارثوں کی فہرست میں شامل کیا جائے۔ قانونِ خداوندی کے حلقے میں نقب لگانے کے لئے عجیب عجیب مفروضے گھڑ لئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ طے کر لیا گیا ہے کہ زید کی زندگی میں جو بیٹا مرا وہ لازماً مفلس مرا اور اس کی اولاد یقینی طور پر اس پوزیشن میں ہے کہ دادے کی موت کے بعد در بدر کی ٹھوکریں کھائے گی۔ ہم کہتے ہیں یہی واحد شکل کہاں ہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بکر اچھا خاصا مال اور چلتا ہوا کاروبار چھوڑ کر مرا ہو۔ اس صورت میں دادے کی وراثت نہ پہنچنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مرحوم بکر کی زوجہ کسی دولتمند

گھرانے کی بیٹی ہو اور شوہر کی موت کے بعد وہ اپنے مال سے بچوں کی پرورش کر سکے۔ بتعداد ممکن صورتوں میں سے بس ایک صورت کو قطعی قرار دے لینا غمازی کرتا ہے کہ معترضین کی نیت درست نہیں۔ ہم کہتے ہیں جہاں یہ صورت پائی جائے وہاں اس کا علاج ابھی ہم بتا چکے۔ یعنی دادا جتنا مال چاہے پوتوں کے حوالے کر دے یا ان کے لئے ایک تہائی مال کی حد تک وصیت کر جائے۔

نزاکتوں کی انتہا

سوال:- از سید اسد علی خاں۔ حیدرآباد ۱۲

میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ زلفوں کا دراز کرنا اگرچہ سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے اکثر حصے میں کافی طویل زلفیں رکھی ہیں اور جب آپؐ ترشوایا کرتے تھے کانوں کی لو کی سیدھ میں یا اس سے کچھ اوپر کے حصے میں کٹوا کر پھر چھوڑ دیا کرتے اور پھر بال بڑھتے تھے لیکن فی زمانہ یہ طریقہ چونکہ صاحبِ بدعات حضرات نے اختیار کر لیا ہے اور اس کو ہی اپنا شعار بنا لیا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرتے ہوئے کانوں کی لو کی سیدھ میں زلفیں ترشوانا بہتر ہے۔ اس مسئلے پر آپ اپنی رائے تحریر فرمائیں اور کونسا عمل افضل رہے گا۔ اس پر روشنی ڈالئے۔

جواب:-

ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ حضورؐ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کم کرنے کی ہدایت کی ہے۔ سر کے بالوں کی تراش خراش اور اسٹائل کے سلسلے میں کوئی متعین اور مفصل ہدایت نہیں فرمائی۔ پھر کیا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں بال کی کھال نکالی جائے۔ جو لوگ سنتِ رسولؐ کے اس قدر دلدادہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں کہ سر کے بال بھی سنت ہی کی کنگھی سے آراستہ کئے جائیں کیا وہ زندگی کے دوسرے میدانوں اور جہد و عمل کے دوسرے محاذوں پر بھی سنتِ رسولؐ کے اتنے ہی دلدادہ ہیں کہ جان و مال اور ساری صلاحیتیں اس پر کھپا دیں۔ کیا وہ جملہ معاملات اور رسوم و رواج اور اخلاق و عادات میں سنتِ رسولؐ کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔

اگر ہیں تو انھیں بتائیے کہ سر کے بالوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت سیرتیں سدھارنے اور اخلاق سنوارنے کی ہے۔ اہمیت دین و ملت کے جسم پر نظر آنے والے زخموں اور ناسوروں کے معالجے کی ہے۔ اہمیت بدعات کو ختم کرنے اور مسرفانہ رسوم کو مٹانے کی ہے۔ اہمیت اسکی ہے کہ سر کے بالوں کو موضوعِ بحث بنانے کے بجائے اپنے اور دوسروں کے اخلاق اور معاملات اور عادات پر گہری تنقیدی نظر ڈال کر دینِ حق کی قدروں اور روایتوں کو نئی زندگی دی جائے۔

جو لوگ آج بھی ـــ جب کہ معاشرہ فساد سے بھر گیا ہے اور چاروں طرف توجہ طلب مسائل کا ڈھیر ہے ان نزاکتوں میں مبتلا ہیں کہ زلفوں کی تراش اور کانوں کی لو میں اقلیدس کا کونسا زاویہ استعمال کیا جائے وہ ہمارے نزدیک اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے۔

جن کے سوالات حذف کر دیئے گئے

حیاتِ خضر

ہندوستان کی کسی بیگم زرینہ پروین نے اگر قاہرہ ریڈیو پر یہ سوال کیا تھا کہ حضرت خضر زندہ ہیں یا نہیں تو قاہرہ ریڈیو کو اس سوال کے جواب پر وقت خراب نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہمارے نزدیک اس طرح کے دور از کار سوالات صرف اکیڈمک ریسرچ کے خشک دائرے کی چیز ہیں۔ بھلا سطحِ عوام اور ریڈیو کی دنیائے رنگ و بو سے انھیں کیا واسطہ

پھر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کسی بیگم زرینہ کو آخر حضرت خضر کی حیات و موت سے کیا دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اور پرورشِ اطفال یا امورِ خانہ داری کی مصروفیات میں یہ سوال

ان کے نازک دماغ میں آیا کیسے کہ حضرت خضر زندہ ہیں یا مر گئے۔

حضرت خضر کے بارے میں ریسرچ کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے نہ عقبیٰ میں۔ پھر کیا حاصل اس پر داد تحقیق دینے کا۔ کم سے کم خواتین کو ایسے بے کیف اور غیر بار آور موضوعات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مسائل وراثت

ہم بارہا اعتراف کر چکے ہیں کہ تقسیم وراثت کا فن ہمیں نہیں آتا۔ براہِ کرم اس موضوع کے استفتاء کسی اور دارالافتاء کو بھیجے جائیں۔

رضاعت

زید نے سلمیٰ کا دودھ پیا تو سلمیٰ کی تمام لڑکیاں اس کی رضاعی بہنیں ہیں جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہاں زید کے وہ دوسرے بھائی جنھوں نے سلمیٰ کا دودھ نہیں پیا ہے سلمیٰ کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔

نیکی اور بدی

کوئی مسلمان کتنا ہی گنا ہگار ہو، شرابی ہو، تارکِ صوم وصلوٰۃ ہو، اس سے مسجد وغیرہ کے لئے چندہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس کی کمائی حرام کی نہ ہو۔ یہ بھی نہ سمجھئے کہ چونکہ وہ فاسق ہے اُسے مسجد وغیرہ میں چندہ دے کر کوئی ثواب حاصل نہ کر سکے گا۔ برائی کا حساب اپنی جگہ اور بھلائی کا اپنی جگہ۔ کوئی بھلائی ضائع نہیں جاتی یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کی سزا دینے کے بعد بھلائی کا اجر عطا فرمائے۔

غیر مستند روایات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور پھر بچپن کے بارے میں کم ہی روایات قابلِ اعتماد ہیں ورنہ مبالغہ آرائی زیادہ کی گئی ہے۔ یہ روایت بالکل لغو ہے کہ بچپن میں فرشتوں نے سات بار آپؐ کا سینہ شق کیا۔

حضورؐ کا سایہ

حضور کے جسم مبارک کا سایہ نہ ہونے کی بات قطعی بے بنیاد ہے۔ اس پر تجلی میں بہت مفصّل کلام آچکا ہے۔ اب بار بار بحث کی ضرورت نہیں۔

جن اور فرشتے

فرشتے نوری مخلوق ہیں اور جنّات ناری۔ ناری سے مراد دوزخی نہیں بلکہ ان کا خمیر آگ سے بنا ہے جیسے کہ ہمارا خمیر مٹی سے اور فرشتوں کا نور سے بنا ہے۔

رسول اور نبی کا فرق

رسول اور نبی کے فرق میں بہت سے اقوال ہیں۔ سادہ اور قریب الفہم فرق یہ ہے کہ رسول وہ نبی ہے جس پر کتاب نازل ہوئی ہو اور جس پر کوئی کتاب نہیں اُتری وہ فقط نبی ہے رسول نہیں۔

ویسے لغتہً "رسول" قاصد کو کہتے ہیں۔ اسی مفہوم میں یہ لفظ قرآن میں حضرت جبریلؑ کے لئے بھی بولا گیا ہے۔

ایک روایت

"جب حضرت آدمؑ زمین پر اُترے تو ایک ہفتے تک بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔"

جو اُردو مصنفین اس طرح کی روائتیں اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں اور یہ اہتمام نہیں کرتے کہ جو شبہات و اعتراضات انھیں پڑھ کر بجا طور پر ابھاریں گے۔ مناسب وضاحت سے ان کی تشفی کر دیں۔ ان کے بارے میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ دین وملت کے لئے فتنہ ہیں۔ ان میں سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ انھیں دوسروں کی اصلاح کے بجائے

اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

موٹی سی بات ہے کہ جس گھر کو "بیت اللہ" کہا جاتا ہے وہ حضرت آدمؑ کے وقت موجود نہیں تھا اور "مقامِ ابراہیم" کا بھی اُس وقت کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھر روایت کا مطلب کیا ہوا؟ یہ توضیح جناب مصنف کے ذمّے تھی۔ مگر اپنی ذمہ داری سے غافل ہو کر وہ قارئین کو مبہوت و متحیر چھوڑ گئے۔ یہ طرزِ عمل یا تو احادیث کا اعتبار کم کرے گا یا علماء کا۔ دونوں ہی نتیجے تکلیف دہ ہیں شاید اسی لئے کہا گیا ہے کہ من بھر علم کو دس من عقل چاہئے۔

زکوٰۃ

(۱) مدارس اسلامیہ کے سفیر صاحبان چونکہ صرف صدقاتِ واجبہ وصول کرنے پر ملازم نہیں بلکہ مجرد چندہ وصول کرنا ان کی ڈیوٹی ہے اس لئے یہ بات احتیاط کے خلاف ہے کہ انھیں العاملین علیہا کے زمرے میں داخل کر کے پوری تنخواہ مالِ زکوٰۃ میں سے دی جائے۔ واللہ اعلم

(۲) مدارس اسلامیہ کے نظماء اور اربابِ اہتمام ان لوگوں کے وکیل ہیں جنھوں نے چندہ دیا ہے خواہ یہ چندہ مالِ زکوٰۃ سے ہو یا کسی اور مال سے۔ نظماء کا فریضہ ہے کہ روپے کو شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے صرف کریں کیونکہ دینے والوں نے ثواب کی نیت سے دیا ہے اور ثواب شریعت کے اتباع میں ہے نہ کہ خلاف میں۔

(۳) صدقاتِ واجبہ کے لئے احناف "تملیک" کی شرط لگاتے ہیں لہٰذا احناف کے مدارس یا اداروں میں یہ صدقات تملیک ہی کے التزام سے کام میں آنے چاہئیں۔ خواہ یہ ادارے کسی بھی نوع کے ہوں۔

(۴) حیلہ حیلہ ہی ہے۔ تملیک کے لئے جو حیلے کئے جاتے ہیں وہ بسا اوقات بہت بھونڈا فریب کہلائے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔

وقت کی بربادی

کسی جنگل میں دو ہم شکل لڑکیوں کی لاشیں ملیں اور ہندو مسلمان دونوں ان میں سے کسی ایک لاش کو "اپنی" قرار دینے پر مصر ہو جائیں اور نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچے تو بتائیے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

اس نوع کے سوالات جو لوگ اٹھا سکتے ہیں وہ غالباً چاند سے بھی اوپر کسی ستارے میں فروکش ہوں گے جہاں عقل اور زبان کے لئے کوئی اور موضوع باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کاش یہ لوگ سوچ سکتے کہ اس طرح کی ذہنی عیاشیوں کا دور کبھی کا گزر چکا۔ اب زمانہ اپنی عزت اپنے دین اور اپنی ہستی بچانے کی فکر کرنے کا ہے۔ اگر کبھی پھر امن و عافیت کا زمانہ لوٹ آیا تو اس طرح کی پہیلیاں بوجھ لی جائیں گی۔

قربانی

قربانی صرف اللہ کے نام پر دینی چاہئے۔ ہاں اس کا ثواب آپ جسے چاہیں پہنچا سکتے ہیں۔ خواہ حضورؐ کو پہنچائیں یا کسی اور کو۔

تذکرۃ الخلیل	مجلد	۱۰/۲۵
تذکرہ مشائخ دیوبند	"	۸/۵۰
تذکرہ شیخ الہندؒ	"	۴/۵۰
بیاض یعقوبی	"	۵/۵۰
بیاض اشرفی	"	۴/-
حیات حاجی امداد اللہؒ	"	۵/۵۰
جدید ملفوظات (مولانا تھانوی)	"	۴/۲۵
حسن العزیز (ملفوظات مولانا تھانویؒ) مکمل	"	۳۰/-
تفسیر رشیدی (۲۰ سورتوں کی تفسیر) از مولانا رشید احمد گنگوہیؒ		۲/۵۰

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں؟

اُن "مردہ" خبروں کی ایک قیمت ہے جن کا تعلق گذشتہ کل یا پرسوں سے تھا اور جو ان واقعات کا اضافہ ہماری معلومات میں کرتی ہیں کہ جو ہو چکے ہیں۔ ان کے نامہ نگاروں کا ایک مقام ہے — قدر و منزلت ہے۔ حکومت کے ایوانوں سے لے کر عوام کے دروازوں تک ان کا خصوصی خیر مقدم ہوتا ہے حالانکہ ان کا قلم کبھی سچ لکھتا ہے تو کبھی جھوٹ اور کبھی دونوں کے تال میل سے کام لیتا ہے — پھر ان کے قلم سے نکلی ہوئی یہ خبریں جن کا تعلق ماضی سے ہے — "گزشتہ" سے ہے — کچھ اور باسی ہو کر اخبارات میں جلوہ گر ہوتی ہیں تو یہ اخبارات خریدے جاتے ہیں — مصروف ترین انسانوں کی میزوں پر جگہ پاتے ہیں اور زندگی کی نئی صبح کے تازہ ترین لمحات ان کے مطالعہ کی نذر کئے جاتے ہیں۔

اے اہلِ دنیا! زندہ باد!! کہ تم نے اپنے نامہ نگاروں اور ان کی مرسلہ "مُردہ" خبروں کی قدر و قیمت پہچانی — مگر اے اہلِ دین و دانش! حیف ہے تم پر کہ تم نے "زندہ" اور "پائندہ" اُن خبروں کو زیبِ طاقِ نسیاں کیا جن کا تعلق کائنات کی آخری آئندہ کل" سے ہے — یہ خبریں احادیث کہلاتی ہیں مگر ان احادیث یعنی خبروں کو پڑھنے کی فرصت کی تلاش میں نجانے کتنے انسان خود ایک "خبر" اور "افسانہ" بن گئے اور نجانے کتنے قبروں کے کنارے پر خبروں میں تبدیل ہونے کے منتظر بیٹھے ہیں — حالانکہ ان خبروں کا تعلق آنے والی آخری کل سے ہے — دنیا سے نہیں خود "ہم" سے ہے۔ ان کے نامہ نگار وہ راویانِ حدیث تھے جو سچائی کے لئے جینے اور مرنے کا عہد پورا کر گئے ہیں اور دنیا سے انھوں نے اپنی بے لوث خدمات کا کوئی مادّی عوض طلب تو کیا قبول تک نہیں کیا۔ ان عظیم خبروں کو جمع کرنے کے لئے وہ دور دراز مقامات کو نکلے — عرق ریزِ دشت و صحرا کی خاک چھانی — کاروبار اور زراعتوں کے مشغلوں کو چھوڑا — پیٹ سے پتھر باندھ کر بارگاہِ رسالت کے دروازے پر سراپا دیدہ و گوش بنے رہے اور پھر قیامت تک آنے والی انسانی روحوں کو اس روحانی شرحِ صدر کے لئے مدعو کیا جس کے بعد ہی آدمی کے دل کی آنکھ کھلتی ہے اور باطن کے کان سنتے ہیں — آہ! سفر کی صعوبتوں سے ان کی دم توڑ دینے والی سواریاں — جمع حدیث کے لئے ان کے فاقے اور بیداریاں — اس سرمایۂ حدیث کی تقسیم اور مفت تقسیم کے لئے ان کی جرأتمندانہ اور رقت انگیز جاں نثاریاں!! اور اس کا جواب ایک مسلسل بے حسی — بے اعتنائی ندامت تک کے احساسات سے تہی دامن! — برف سے زیادہ سرد — لاش سے زیادہ بے حس! کیا یہ سب محض رائیگاں کر دینے کی چیزیں ہیں؟ — زندگی جو بات "کل" اس وقت جان سکے گی جب جاننے سے کوئی فائدہ

حاصل نہ ہو سکے گا سوائے اس کے کہ کفِ حسرت و افسوس ملا جائے اور خاک بسر ہو کر یہ اور صرف یہ کہا جائے کہ اے کاش! ہم پیوند خاک ہو جاتے — ہمیں ہمیشہ کیلئے اس طرح مٹا دیا جاتا جس طرح حیوانات کو میدانِ حشر میں مٹا دیا گیا! — کیا ہم اُس بات کو اس حادثۂ جانکاہ سے پہلے جاننا نہیں چاہتے؟ — یا خدا نخواستہ ان خبروں کے متعلق ہمارے ایمان و یقین ہی کا دیوالہ نکل چکا ہے؟ — اور جس کے پاس ایمان کی دولت نہیں رہی تو اس کے پاس رہ کیا گیا؟ — محض فریبِ زندگی۔ خوں چکاں خود فریبی!

کیا؟ — کیا ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے — اگر ایسا ہے تو بتائیے کہ ابوہریرہؓ کے لئے آپ کے نہاں خانۂ قلب میں کوئی بھی جگہ ہے جس نے یمن کے دور افتادہ علاقے سے مدینے تک کا سفر کیا — مدینے میں اصحابِ صفّہ کے درمیان فاقہ کشی اور شب بیداری کے چار سال اس طرح بسر کئے کہ کبھی سردی سے جنگ کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیں اور کبھی بھوک سے لڑتے ہوئے مسجدِ نبویؐ کے سامنے ڈھیر ہو گئے۔ لیکن ان چار سالوں کی قلیل مدت میں پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث "فردا" جمع کر کے قیامت تک آنے والوں کے لئے ابدی سکون اور لازوال کامیابی کے آٹھ فردوسی دروازے کھول دیئے — اور پھر ان تمام خدمات کی تکمیل کے بعد مٹی کے اندر جا سوئے — ہمارے دل میں اس کسان کے لئے جگہ ہے جس نے معدے کی آگ بجھانے کے لئے پسینہ ٹپکایا اور اس کی قیمت بھی ہماری جیبوں سے وصول کر لی، لیکن اس ابوہریرہؓ کے لئے ہمارے دل کے دروازے بند ہیں، جس نے گناہوں کے دوزخ کو ٹھنڈا کر دینے والے خونِ جگر کے آنسوؤں سے پانچ ہزار سے زائد زندگی کے وہ راز افشا کئے جن کو قیامت کے دھماکے کے سوا اور کوئی بھی ہمیں نہ بتا سکتا —

ان خبروں کو اس نے کس ذہنی اضطراب اور روحانی التہاب کے ساتھ جمع کیا تھا اس کا کچھ اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان خبروں سے "بے خبری" کو دیکھ کر ان پر جو بیت جاتی تھی اس کی جھلک جہاں کہیں نظر آتی ہے وہاں ان کے جذب و جنوں کا تلاطم ماں کی "مامتا" کو بھی گمراہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

کیا حال ہوتا اس گندم گوں چمکیلے دانتوں اور زلفوں والے ابوہریرہؓ کا اگر آج وہ ہمارے بازاروں سے گذرتا کہ جسے مدینے کے اس دور ذکر و فکر میں بازار کی ہما ہمی دیکھ کر اس سرمایہ سے غفلت کا شبہ ہوا تھا تو اپنا مقدس سر پیٹ لیا تھا! — انھوں نے دیکھا — لوگ جسم کی ضروریات کی خرید و فروخت میں ہمہ تن منہمک ہیں اور ان کے چہروں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آخرت اپنی تمام ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ ان کے قلب و روح کے سامنے موجود نہیں رہی — وہ یہ دیکھ کر صبر نہ کر سکے۔ ان کے دل سے ایک چیخ بلند ہوئی — ایک دردناک چیخ جس نے ایک ساعت کے لئے بازار کے تمام ہنگاموں کو سکتے میں ڈال دیا۔

"ارے! تمھیں آخر کس چیز نے روک رکھا ہے؟"

"کس چیز سے؟" کسی نے سوال کیا "کس چیز نے ہمیں روک رکھا ہے آخر؟"

"وہاں جانے سے" ابوہریرہؓ خواب پریشاں جیسی کیفیت میں بڑبڑائے "جہاں رسول اللہؐ کی میراث بٹ رہی ہے..."

"کہاں؟ — کہاں بٹ رہی ہے؟؟" بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔

"مسجد میں!" حضرت ابوہریرہؓ نے مشتاق مجمع پر حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا:-

اور "میراث" کے لفظ میں سونے چاندی کی جھنکار محسوس کرتے ہوئے اسی وقت جو جہاں تھا وہاں سے مسجد کی طرف دوڑ پڑا — جہاں نبیؐ کی میراث بٹ رہی ہو وہاں ہر امتی کا ایک حصّہ ہونا ہی چاہیئے۔

اور اس حصّے کو وہی کھو سکتا ہے جس کو میراث کے سنہرے معنی ہی معلوم نہ ہوں ـــ لیکن لوگ دوڑے ہوئے گئے تھے اور فوراً تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ واپس آ گئے ۔

"وہاں تو کچھ بھی میراث نہیں بٹ رہی ہے!" لوگوں نے واپس آکر حضرت ابو ہریرہؓ سے شکایت کی۔ احتجاج کیا۔

"پھر وہاں کیا ہو رہا تھا؟" ابو ہریرہؓ نے رد دینے کے انداز میں پوچھا۔

"وہاں تو کچھ نماز پڑھ رہے تھے ـــ کچھ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے ـــ اور کچھ حرام و حلال کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے..." لوگوں نے جواب دیا۔

اور یہ جوابات سُن کر ابو ہریرہؓ نے دوسری چیخ ماری ـــ

"تم لوگوں پر ہزار حیف!! ـــ ارے یہی تو تمھارے نبی کی میراث ہے۔"

آج کی مسجدوں میں بھی اگر ابو ہریرہؓ دیکھتے تو وہاں بھی بازاروں کی گفتگو سُن کر جس طرح انھیں تڑپنا پڑتا اس کی اطلاع بھی ان کو آئندہ کی خبریں دینے والا دے چکا تھا۔ ان کے مرض الموت میں عیادت کیلئے ابو سلمہ بن عبدالرحمن تشریف لائے اور دعائے صحت دی تو ابو ہریرہؓ نے بیتابانہ اپنے خدا کو مدد کے لئے پکارا کہ وہ اس دعا سے ان کو بچائے ـــ انھوں نے دعا کی "میرے خدا! اب دنیا میں مجھے واپس نہ کر دینا" ـــ ابو سلمہ حیرت سے ان کا منھ دیکھتے رہ گئے تو ابو ہریرہؓ نے کہا "اگر تم جیتے رہ گئے تو دیکھو گے کہ جب کوئی آدمی قبر پر سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش اس کے بجائے میں یہاں موت کی نیند سو رہا ہوتا۔

انھوں نے کس بے لوث جذبے سے انسانیت کی یہ خدمت کی تھی اس کی گہرائیاں ناپیداکنار ہیں۔ کسی سے اس کا صلہ لینے کا تو کیا سوال وہاں تو وہ اس تصور سے بھی لرزہ براندام تھے کہ کہیں اس خدمت کے دوران خود اپنے نفس کی کسی تسکین کا پہلو نہ نکل آئے! ـــ اپنی شخصیت کے ادنیٰ ترین اظہار کے خطرے سے وہ اس درجہ لرزاں و ترساں اور دامن کشاں تھے کہ خود ان کے بیان کے مطابق اگر خدا کی کتاب حدیث چھپانے پر وعید نہ دیتی تو وہ کبھی ایک حدیث بھی زبان پر نہ لاتے اور نمود و نمائش کا خطرہ ہی سرے سے کبھی مول نہ لیتے۔

"وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ کھلے ہوئے احکام و ہدایات کی باتوں میں سے جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں ان پر خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں"

(سورۂ بقرہ)

ہے کوئی جو اس حدیثِ رسولؐ کے صحرا نورد کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھولے ـــ اپنے دل میں اس کو کوئی جگہ عنایت کرے اور اپنی زندگی میں اس سرمایۂ حیات کو جذب کر کے اُس ابو ہریرہؓ سے قبر کے اُس پار قیامت کے دن ملاقی ہو جو قبر کے اس طرف اپنا سب کچھ لٹا کر یہ سرمایۂ حیات ہمارے لئے چھوڑ گیا ہے؟ ـــ سُنتے ہیں کہ دنیا میں کروڑوں مسلمان موجود ہیں مگر دیکھتے ہیں کہ اس پکار کے لئے جواب میں خاموشی ہی خاموشی ہے! ـــ واویلاہ!

خوش خبری

اگر آپ تجلّی کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں تو یہ بالکل ممکن ہے کہ آپ گذشتہ سالنامے سے خریداری کا آغاز کریں۔ ہم نے اہتمام کیا ہے کہ سالنامے سے اب تک کے پرچے نئے خریداروں کو پیش کر دیں تاکہ ان کا فائل نامکمل نہ رہے ـــ خاص رعایت یہ ہے کہ سالنامہ ملا کر اب تک کے پرچوں کا ڈاک خرچ ہم ہی برداشت کریں گے ـــ نئے خریداروں سے مزید کچھ نہ لیا جائے گا۔

اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانے میں جلدی کیجئے

منیجر تجلّی ـــ دیوبند (یو-پی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی مشہور و معروف تفسیر

تفسیر بیان القرآن عکسی

اصل نسخہ مطبوعہ تھانہ بھون ــــ فوٹو آفسیٹ کے ذریعے

مثالی خوبیوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے

تقریباً چالیس سال سے یہ تفسیر بیشتر مقامات سے بارہا شائع ہو رہی ہے۔ لیکن جس حسنِ انتظام اور خوبیوں کے ساتھ حضرت تھانویؒ نے اپنی نگرانی میں تھانہ بھون سے شائع کرائی تھی آجتک کوئی دوسرا مطبع شائع نہیں کرسکا الحمدللہ! اب ادارۂ تفسیر دیوبند نے تھانہ بھون کے مطبوعہ اصل نسخے کا فوٹو لے کر نہایت موزوں سائز پر دوماہی پروگرام کی شکل میں طبع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

طریق اشاعت

(۱) اشاعتی پروگرام میں شریک ہونے کے لئے صرف دو (۲) روپے فیس ممبری ارسال کرکے اپنا نام و پتہ خریداروں کے رجسٹر میں درج کرالیں۔

(۲) قیمت فی جلد چار روپے محصول ڈاک ایک روپیہ پچاس پیسے۔ کل پانچ روپے پچاس پیسے۔

(۳) ممبران کو ہر دوسرے ماہ ایک جلد صرف چار روپے میں بذریعہ وی پی ارسال کی جائے گی محصول ڈاک معاف ہوگا۔

(۴) مکمل تفسیر ۲۴ جلدوں میں تیار ہوگی۔ ہر ایک جلد میں تقریباً سوا پارہ کی تفسیر ہوگی۔

(۵) پانچ احباب مل کر ایک پتے پر پانچ جلدیں طلب کریں گے تو صرف پندرہ روپے میں ۵ جلدیں پیش کی جائیں گی۔

(۶) ایجنٹ حضرات اور تاجرانِ کتب کو معقول کمیشن دیا جائے گا۔ معاملات خط و کتابت سے طے فرمالیں۔

تعاون کا طالب

منیجر ادارہ تفسیر۔ دیوبند (یو۔پی)

(مریم جمیلہ کا بیان)

جہنّا ناترا بشی

کی

شرم

مجھے راہِ حق سے متزلزل نہیں کر سکتی

میں آج سے تقریباً ۳۰ برس قبل نیویارک شہر کی ایک خوبصورت اور خوش حال مضافاتی بستی میں پیدا ہوئی۔ وہیں میری زندگی کے ابتدائی ایام گزرے۔ جب میں سن شعور کو پہنچی تو مجھے بتدریج اس ماحول سے نفرت ہونے لگی۔ میں نے اپنی بیزاری کا علاج پبلک لائبریریوں اور دارالمطالعوں میں پناہ ڈھونڈھ کر کیا، وہیں پر میرا اسلام سے تعارف ہوا اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد مجھے اسلام کے موضوع پر جو کتاب ملتی رہی میں پڑھتی چلی گئی اور اس وسیع مطالعے سے بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اسلام ہی ایک ایسا مکمل اور جامع مذہب ہے جس کی عالمگیر صداقتیں ہر دور اور ہر مقام کے لئے موزوں اور معقول ہیں۔ اسلام کے بارے میں مطالعے کے دوران میں مجھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی چند کتب اور مضامین کے انگریزی تراجم پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے جنوبی افریقہ میں شائع ہونے والے ایک انگریزی ماہنامے کے مدیر کے نام ایک خط لکھا اور اس سے مولانا مودودی کا پتہ مانگا کیونکہ اس ماہنامے میں مولانا مودودی کا ایک مقالہ پڑھ کر میں بہت متأثر ہوئی تھی۔ یہ مقالہ میرے اسلامی خیالات کا صحیح ترجمان تھا۔ مولانا مودودی کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سال تک میری مختلف اسلامی موضوعات پر خط وکتابت جاری رہی اور انھوں نے میرے سوالات اور شبہات کا ایسے بہترین انداز میں جواب دیا کہ میں پوری طرح مطمئن ہوگئی۔

جب میں مسلمان ہوئی اور میں نے مولانا سے امریکہ میں اپنی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا تذکرہ کیا تو مولانا نے نہایت وسیع النظری اور روشن ضمیری سے ان مشکلات کا جائزہ لے کر مجھے پیشکش فرمائی کہ میں پاکستان آجاؤں۔ اور یہاں پر میری حیثیت ان کے گھر میں ایک فردِ خانہ کی ہوگی۔

غرضیکہ میں پاکستان پہنچی اور مولانا مودودی کے گھر قیام پذیر ہوئی۔ ان کے گھر قیام کے دوران میں مجھے ہر سہولت اور آسائش میسر رہی، خصوصاً ایک علمی خاندان میں میرے ادبی اور علمی ذوق کی نہایت اعلیٰ درجے کی تربیت ہوئی۔ میری بیماری کے دوران جس حسنِ اخلاق سے

مولانا محترم کے پورے خاندان نے میری تیمارداری کی ہیں اسے کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔ میں پاکستان میں پہنچ کر اپنی زندگی سے اس قدر مطمئن تھی (اور خدا کے فضل سے اب تک ہوں) کہ میں نے لاہور کو مستقلاً اپنا مسکن بنانے کا فیصلہ کر لیا اور خدا گواہ ہے مجھے اپنے اس فیصلے پر کبھی ایک لمحہ بھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ مجھے پاکستان آئے ہوئے ساڑھے آٹھ سال کی مدت بیت گئی مگر میرے دل میں ایک بار یہ خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی کہ اپنے پیدائشی ملک جاکر اپنے عزیزوں اور والدین سے ملوں۔ یہاں پر میں اپنے میاں ان کی پہلی بیگم اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہوں۔ تقریباً ہر ماہ میں مولانا محترم کے گھر جاتی ہوں اور ان کی بیگم صاحبہ اور ان کی بچیوں سے ملاقات کر کے روحانی مسرت حاصل کرتی ہوں۔

بدقسمتی سے سوشلسٹ عناصر اور بعض نام نہاد "علمائے کرام" نے مولانا مودودی کے خلاف اپنے جلسے جلوسوں، اپنی تحریروں میں اور اپنی نازیبا تقریروں میں ایک گھناؤنی مہم چلا رکھی ہے اور جب سے میں یہاں آئی ہوں اس میں مجھے بھی ملوث کیا جانے لگا ہے۔ اس پروپیگنڈے سے ان لوگوں کا مذموم مقصد یہ ہے کہ ہمارے جذبات کو زیادہ سے زیادہ مجروح کیا جائے۔ لیکن ان نادانوں کو شاید یہ علم نہیں کہ مولانا مودودی کے خلاف کوئی پروپیگنڈا بھی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، کیونکہ مجھے آج کی دنیا میں مولانا مودودی سے بڑھ کر اسلام کے لئے کام کرنے والا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ نہ صرف یہ کہ سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں بلکہ عملاً انھوں نے دنیا میں ایک ایسی منظم اور ہمہ گیر تحریک برپا کی ہے جو ان کے نظریات کو عملی طور پر پھیلا رہی ہے۔ ان کے مخالفین نے اسلام کے لئے کیا کیا ہے؟ کیا کوئی اصلاحی اور تعمیری کام بھی ان سے ہو سکا ہے؟ کوئی ایسی کتاب بھی انھوں نے لکھی ہے جو یہ ثابت کرتی کہ اسلام ہی دورِ جدید کے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے کیا ان سے یہ ہو سکا کہ وہ جدید دور کے مادی انسان کی روحانی تشنگی کو دور کرتے انھوں نے جدید اسلامی ریاست کی تشکیل کے لئے کیا کیا ہے؟ یہ علماء وعظ و نصیحت اور نکتہ چینی تو بہت کرتے ہیں مگر مجھے بتائیں انھوں نے اب تک مثبت کام کتنا کیا ہے؟

میں جماعت اسلامی کی باقاعدہ رکن نہیں ہوں اور نہ کبھی رہی ہوں لیکن میں جماعت کے مثبت اور تعمیری کاموں میں ہر وقت بلا تامل اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں۔ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے مخالفین کے پاس سوائے الزامات اور بہتان تراشی کے دھرا کیا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی جو لوگ خواہ مخواہ جماعت اسلامی میں کیڑے نکال رہے ہیں انھیں چاہئے کہ جماعت اسلامی کے ارکان کی سیرت اور کردار اور ان کے حال اور ماضی کا نکتہ چینوں کے کردار و سیرت اور ان کے حال و ماضی سے تقابل کریں اور حقائق کو اپنے منھ سے بولنے کی اجازت دیں۔

میں جماعت اسلامی کے تمام ارکان اور ہمدردوں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ ان لوگوں کی سازشوں سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ وہ مخالفت کے اسباب کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

مجھے فخر ہے کہ مولانا مودودی مجھے اپنی بچیوں کے برابر سمجھتے ہیں ہر نماز کے بعد میں خدا سے دعا کیا کرتی ہوں کہ اے اللہ میرے ننھے ننھے بچوں کو یہ توفیق عطا فرمانا کہ جب وہ بڑے ہوں تو اپنی زندگی جماعت اسلامی کے کام میں کھپائیں —— ہمارا کام یہ ہونا چاہئیے کہ ہم دوسروں کی ریشہ دوانیوں کو نظر انداز کر دیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔ ہم سب کے اعمال کا آخری منصف خدا ہی ہے۔ یہ اس کی رضا پر منحصر ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دے یا سزا دے — غیبت اور اتہام تراشی بدترین گناہ ہے۔ اور جو لوگ دن رات اس کام میں لگے ہوئے ہیں انھیں خدا کے قہر و غضب کا نشانہ بننے کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ چاہے خدا انھیں اس دنیا میں اس کی سزا دے یا اگلے جہان میں مگر وہ اس کے غضب سے بچ نہیں سکتے۔

(ایشیا - ۱۴ر فروری ۷۱ء)

انگریزی سے ترجمہ
(مترجم :- شمس نوید عثمانی)

مریم جمیلہ اور مولانا مودودی

مکتوبات کے آئینے میں

نیویارک - ۱۱ر جولائی ۱۹۶۱ء

محترمی مولانا مودودی!

السلام علیکم

آپ کے مکتوب مورخہ ۲۰ر جون کے لئے شکریہ ادا کرتی ہوں اور یہ سنکر خاص طور پر خوشی حاصل ہوئی کہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی۔ چنانچہ آپ سیاحتِ افریقہ پر تشریف لے جاسکیں گے ہیں آپ کو یہ خط زمینی ڈاک سے روانہ کر رہی ہوں کیونکہ مجھے توقع نہیں کہ ستمبر میں لاہور واپس آنے سے قبل آپ کا جواب آسکے گا۔

مجھے اپنے مطالعہ سے جو کچھ علم ہوسکا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک اسلام کے لئے حسین امکانات کا تعلق ہے افریقہ نقشۂ عالم پر روشن ترین مقام ہے۔ خصوصاً نائجیریا جس کی قیادت احمد بیلو اور ابو بکر طوافا بیلادا جیسے اہل لوگ کر رہے ہیں۔ اسلام ایسی تیز گامی اور سبک خرامی کے ساتھ پھیل رہا ہے کہ اگر ایک کافر عیسائیت کی طرف آتا ہے تو دس کافر اسلام سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ مغربی حکومتوں کی طرف سے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک تبلیغی سرگرمیوں کی پشت پر دولت اور تائید کی فراوانیاں موجود ہیں اور تعلیم، اسپتالوں اور فلاحِ عامہ کے کاموں پر ایک صدی سے ان لوگوں کی اجارہ داری ہے پھر بھی انھیں مٹھی بھر لوگ تبدیلیٔ مذہب کرنے والے ہاتھ آتے ہیں، جبکہ چند ہفتوں اور مہینوں کے اندر گاؤں کے گاؤں اسلام کے حلقہ بگوش ہوجاتے ہیں۔ حال ہی میں نیویارک ٹائمز نے ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں نامہ نگار نے نائجیریا کے شہر میں کام کرنے والی رومن کیتھولک مشنریوں سے انٹرویو لیا تھا جنھوں نے اس کو بتایا کہ افریقیوں کی ایک تعداد جنکو عیسائیت کا بپتسمہ دیا جاچکا تھا وہ اب پابندی کے ساتھ مقامی مسجد میں حاضری دے رہی اور رمضان کے روزے ادا کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں نسلی امتیاز کو مانا جاتا ہے اور ان کے تمام کلیساؤں میں نسلی تفریق و امتیاز پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا ہے جب کہ مسجد میں ایک افریقی یہ سمجھتا ہے کہ اسکی پذیرائی

ہوگی اور یہ محسوس کرایا جائے گا کہ تم اپنوں میں ہو۔ اگر امریکہ میں اسلامی تبلیغ کے کام کی مؤثر تنظیم ہو سکتی تو اسکے دو کروڑ سیاہ فام لوگوں خصوصاً اُن غریبوں، بے روزگاروں نفرت کے ماروں اور دھتکارے ہوئے لوگوں کے درمیان اسلام کو انتہائی زرخیز زمین مل جاتی کہ جو نیویارک اور شکاگو میں بڑے بڑے یہودی محلّوں میں بھرے پڑے ہیں۔

میں نے اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا جو انتخاب تیار کیا ہے اس میں حبیب بورقیبہ کی رمضان دشمن مہم کی تعریف میں لکھا ہوا ایک اداریہ بھی شامل کیا ہے جو اسلامک ریویو میں شائع ہوا تھا جو میرے خیال میں رُسوا کن اور ناقابل معافی ہے۔ میرے انتخاب میں شامل ہونے والے وہ لوگ ہیں جن کا تعلق امریکن یونیورسٹی بیروت سے یا امریکن کالج قاہرہ سے ہے۔ یہ دونوں ادارے پروٹسٹنٹ تبلیغی مہم کے شعبے ہیں۔ اور اگرچہ عملی طور پر ان کو عیسائی ہو جانے والے آدمی بہت تھوڑے سے مل سکے ہیں لیکن مسلمان طلباء میں اسلام سے برخاش پیدا کر دینے اور ان کو مغربی طرزِ حیات کا شیفتہ بنانے میں ان کو بڑی بھاری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ میں سعودی عرب کے ایک طالب علم سے ملی جو کولمبیا یونیورسٹی میں ایجوکیشن کے میدان میں بی۔ اے کا کام کر رہے ہیں اور جو امریکن یونیورسٹی بیروت سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں انھوں نے مجھے بتایا کہ تمام مسلمان طلباء کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کلیسا میں عیسائی عبادت میں حاضر رہیں۔ جو لوگ جانے سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ اسکی متبادل شکل کے طور پر "مسیحی اخلاقیات" کا لازمی نصاب لیں۔

کاروباری اسکول میں جب میں ٹائپ رائٹنگ سیکھ گئی تو میں نے یہ سمجھا تھا کہ بحیثیت سکریٹری کے مجھے کوئی ملازمت حاصل کرنے میں دشواری نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں عرب انفارمیشن سینٹر میں پہنچی جہاں میرا خیال تھا کہ عربی بولنے والے ممالک اور اسلام سے میری شدید دلچسپی کچھ نہ کچھ قدر و قیمت کا باعث ہوگی لیکن ان لوگوں کو جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ میں یہودی نومسلمہ ہوں اور صدر ناصر اور ان کی عرب پرستی کی چھاپ سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتی تو انھوں نے ایسی سرد مہری کے ذریعہ میرا استقبال کیا کہ میں پھر کبھی اُدھر کا رُخ نہ کر سکی۔ اس کے بعد میں نے مشرقِ وسطیٰ کے "امریکن حلقۂ احباب" کے نیویارک والے صدر دفاتر کا رُخ کیا جہاں سامنے ہی وائے ڈیسک پر بیٹھی ہوئی دو خوبصورت نوجوان امریکن لڑکیوں نے مجھے صاف صاف بتادیا کہ وہ تمام راسخ العقیدہ مذاہب کو متروک سمجھتی ہیں اور جب تک عرب لوگ اسلام کو پسِ پشت نہ ڈال دیں اور اس کو پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح اٹھا کر نہ پھینک دیں اس وقت تک وہ معاشی ترقی اور بلند تر معیارِ زندگی کا مقام ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ مشرقِ قریب سے معاملہ کرنے والے نیویارک کے ادارے اور تنظیمیں یا صیہونیت پسندوں کے ہاتھ میں ہیں یا عیسائی مشنریوں کے۔ یا پھر خالصتاً کاروباری ہیں۔

دوسرے دن نیویارک ٹیونیشیائی ٹریڈ سینٹر میں میرا گذر ہوا۔ ہاتھ سے بنے ہوئے شاندار قالینوں اور بھرت کے کام والی تانبے کی سینیوں کے پُرکشش منظر کو دیکھ کر میں نے اندر جانے اور چاروں طرف ایک نظر ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کبھی بھی عمر میں میرے دل کو ایسی چوٹ نہیں لگی تھی جیسی اس وقت لگی جب کہ فرش سے چھت تک کی درازوں الماریوں میں سوائے اس کے کچھ نہ دیکھا کہ انگوری شراب وھسکی، رم اور بیئر کی بوتلیں ہی بوتلیں بھری پڑی ہیں۔ سامنے والے ڈیسک پر مامور خاتون سے میں نے پوچھا کہ کیا یہ آزاد ٹیونیشیا کی تیار کردہ ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ ملک کے اندرونی استعمال اور بیرونِ ملک برآمد کے لئے الکحل کے مشروبات کی یہ ہمہ گیر تیاری اُس معاشی "ارتقا" کا ایک ثبوت ہے جس کو صدر حبیب بورقیبہ نے ٹیونیشیا میں برپا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اسلام تو محض ایک تاریخی کھنڈر ہے از منۂ وسطیٰ کا اور اُس سے جتنا جلد دامن چھڑا لیا

جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اس خاتون کا منجھا ہوا فرانسیسی لب ولہجہ دیکھ کر میں نے پوچھا کہ کیا وہ فرانسیسی ہے؟۔ ۔ اس نے بڑے پُر زور انداز میں اثبات میں جواب دیا ۔۔۔ اس نے مجھے بتایا کہ ٹیونیشیا کی حکومت نے اس کو اس لئے ملازمت میں لیا ہے کہ جیب بورقیبہ فرانس کے ساتھ انتہائی دوستانہ روابط کو ترقی دینے کے آرزومند ہیں۔

آج سہ پہر میرا ارادہ نیویارک یونیورسٹی جانے کا ہے کہ جہاں میں کبھی ایک طالب علم تھی تاکہ وہاں اس یہودی لڑکے سے گفتگو کی جائے جس نے دو ہفتے ہوئے مسجد میں جا کر کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔ جب اس کی ماں پر اس کا انکشاف ہوا کہ اس نے اسلام کو سینے سے لگا لیا ہے تو وہ اس کو فی الفور یہودی عبادت گاہ میں لے گئی جہاں کے ربی نے اس کو یہودیت کی طرف دوبارہ پلٹ آنے پر مجبور کیا۔ کوئی دوسری متبادل راہ اس کے سامنے تھی نہیں کیونکہ اس کی ماں (باپ کا انتقال ہو چکا ہے) یہ دھمکی دے چکی تھی کہ اگر وہ اسلام ہی سے وابستہ رہا تو اس کی تمام مالی سرپرستی اور امداد بند کر دوں گی۔ وہ چونکہ میڈیکل طالب علم ہے اس لئے ابھی چند سالوں تک وہ خود اپنی کفالت پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جیسی یہ ماں ہے میرے والدین ایسے تنگ نظر اور متعصب نہیں ہیں۔

ستمبر میں آپ کے جواب اور سفر افریقہ کی دلچسپ تفصیلات کی پُر شوق منتظر ہوں۔

آپ کی اسلامی عزیزہ

مریم جمیلہ

لاہور ۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۱ء

عزیزہ مریم جمیلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تمہارا خط مورخہ ۱۱ جولائی چند ہی روز پہلے ملا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سطح زمین کی ڈاک کا سفر تمہارے ملک سے میرے ملک تک کیسا سست رفتار ہے۔ تمہارے ناول "احمد خلیل" کا مسودہ پہنچے ہوئے ایک ماہ سے زائد ہو چکا ہے اور اب اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ کے پاس ہے وہ اس کو جیسے ہی مجھے واپس کریں گے میں کوشش کروں گا کہ تمہاری اس کہانی کو پڑھنے کے لئے وقت نکالوں اور پھر تمہیں اپنے تاثرات سے مطلع کروں۔

یہ معلوم ہو کہ تمہیں تعجب ہوگا کہ چونکہ حکومت نے دفعتاً تمام افریقی اور عرب ممالک کے نام میرے پاسپورٹ سے غائب کر دیئے ہیں اس لئے میں مجبور ہو گیا کہ اپنے سفرِ افریقہ کو منسوخ کر دوں۔ اس کے بعد سے مجھے ان ممالک سے متعدد بار ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں اور خود پاکستان سے بھی جن میں میری بیرونی نقل و حرکت پر ان آمرانہ بندشوں کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے۔ اس صورتِ حال سے اگر کسی کو خوشی ہوئی تو وہ صرف مسیحی مبلغین اور قادیانی ہیں جو قادیان (ہندوستان) کے مرزا غلام احمد کو ایک نیا رسول مانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو مرد یا عورت ان پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

کسی مالی امداد اور کسی معقول تنظیم کے بغیر ہی اسلام افریقہ میں مسلسل اپنا مقام پیدا کر رہا ہے باوجودیکہ عیسائی مشنریاں زرِ کثیر صرف کرتے ہوئے انتہائی سخت جدوجہد کر رہی ہیں۔ فی الحقیقت اس بارے میں اچھا خاصا کتابی مواد موجود ہے کہ دونوں مذاہب ذاتی حسن و خوبی کے لحاظ سے کس قدر متضاد اور مختلف ہیں۔ مسیحیت اس قدر ناتواں ہے کہ اتنے زیادہ مسیحی مدارس، شفا خانوں، منظم تبلیغی کام اور نوآبادیاتی حکومتوں کی کمک کے باوصف اس کو اہلِ افریقہ شاذ و نادر ہی سرگرمی شوق کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور وہ بھی جو قبول کر لیتے ہیں جلد ہی ان کے فریب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور وہ اس کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ برعکس اس کے اسلام نہ ہی ان کے سامنے اپنی بھرپور رعنائی کے ساتھ پیش ہو رہا ہے نہ ہی مسلمانوں کی بیشتر تعداد میں اسلامی

طرزِ عمل کے اچھے نمونے ملتے ہیں اور ہمارے تبلیغی کام کرنے والے بھی بس گنے چنے ہیں اور وہ واحد اسلام جن سے یہ افریقی روشناس ہو پاتے ہیں وہ محض ایک اثرِ صحبت ہے۔ سادہ ذہن اور عموماً بے پڑھے لکھے مسلمانوں کے باہمی رابطے کا لیکن محض اتنا کچھ بھی ان افریقیوں کو اسلام کی سمت کشاں کشاں لے آنے کیلئے کافی ہے۔ اس بنا پر مجھے حسرت تھی کہ میں وہاں اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے ایک منصوبہ بند نقشہ بناتا۔ لیکن افسوس کہ میرے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی میں اس تحریک کو بھول کبھی نہیں سکتا جس کی خدمت اپنی حد تک بہتر سے بہتر طور پر کرنے کی جدوجہد میں انشاء اللہ کئے جاؤں گا حالانکہ میں وہاں سے جتنے فاصلے پر پڑا ہوں وہ تم دیکھ ہی رہے ہو۔

جیب پور قیبہ کی "ورکنگ اسلامک ریویو" کی طرف سے تائید و حمایت پر تمھیں حیرت زدہ نہ ہونا پڑتا اگر تمھیں معلوم ہوتا کہ اس جریدے کو کس مکتبِ فکر سے نسبت ہے۔ یہ خود ہمارے ہم وطن ہیں اور ہم ہی انھیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعوے کرنے کی جسارت کی تھی یہ لوگ ان کے ماننے والوں کے لاہوری گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ماننے والوں کی اصل جماعت اپنی باضابطہ مطبوعات میں کھلم کھلا مرزا صاحب کے رسول ہونے کا اعلان کرتی ہے اور ان کے اس دعوے کو رد کرنے والوں کو کافر یا منکر قرار دیتی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے (بشیرالدین محمود) کے ہاتھ میں اس جماعت کی قیادت ہے۔ اسی جماعت کا ایک زائیدہ فرقہ جو انگلستان میں ووکنگ مسجد سے اسلامک ریویو پر کنٹرول کر رہا ہے وہ مرزا صاحب کو برملا طور پر رسول کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ مجازی مفہوم و معنی میں صرف "نبی" تھے۔ لیکن یہ لوگ ان کو مسیح موعود، مجدد اور مہدی کی حیثیت دیتے ہیں۔

غیر منقسم ہند و پاک میں انگریزوں کے دورِ حکومت میں برطانوی حکومت کی خصوصی نظرِ التفات ان دونوں قادیانی جماعتوں پر رہی ہے۔ برطانوی شہنشاہیت کی جانب سے ان لوگوں کو صرف خاموش حمایت ہی نہیں بلکہ مثبت تحفظ اور حوصلہ افزائی ملنے کا فخر حاصل تھا۔ اندرونِ ملک انکو ذمہ دارانہ عہدوں سے نوازا جاتا اور بیرونِ ملک یہ حضرات ملکۂ معظم کی سلطنت کے انتہائی معتمد وفادار اور تابعدار خدام میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی "اسلامی" نشرواشاعت کو محض اس لئے برداشت کیا جاتا تھا کہ وہ قطعاً بے ضرر اور غیر مخدوش قسم کی چیز تھی اور ان کے تبلیغی ادارے شہنشاہیت کی متعدد ظاہر اور مخفی خدمات انجام دینے میں ایک مؤثر پردے کا کام کرتے تھے۔ مولانا محمد علی جنھوں نے انگریزی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا تھا۔ اسی لاہوری احمدیہ تحریک کے قائد تھے کہ جس نے انگلینڈ میں "ورکنگ مشن اور لٹریری ٹرسٹ" کی بنیاد ڈالی اور جو اسلامک ریویو کو چھاپتی ہے

یہ لوگ مغربی پیمانوں کے مطابق اس بات کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے کہ ہم روشن خیال، ترقی شناس اور ترقی پسند آزاد منش ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ لوگ پورے جوش و خروش سے ہر اس اقدام پر واہ واہ کرتے ہیں جو پاکستان یا دوسرے مسلم ممالک میں اسلام کی "اصلاح و ترمیم" کے لئے کیا جائے۔ ابھی حال ہی میں ہمارے عائلی قوانین میں انھیں مغربی نقد و نظر کے معیار پر زیادہ سے زیادہ اُتارنے کے لئے "اصلاحات" فرمائی گئی ہیں جس پر ان ہی لوگوں نے جن کے ہاتھ میں اسلامک ریویو کا دروبست ہے بڑے زور سے تالیاں بجائیں۔

قاہرہ و بیروت کی مسیحی یونیورسٹیوں پر تمھارا انقدو نظر بالکل درست ہے۔ یہ معلوم کر کے تمھیں دلچسپی ہوگی کہ پاکستان میں مسیحی اسکول اور کالج گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ٹھیک ایسے ہی نتائج برآمد کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اشرف اور معاشی احسانات کے منت کش اور چوٹی کے سرکاری ملازمین اپنے بچوں کو جب وہ چار یا پانچ سال کے ہوتے ہیں ان اداروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ بجائے اُردو کے انگریزی بولنا سیکھتے ہیں اور سچ پوچھو تو ان میں سے بیشتر کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قومی زبانوں میں لکھ اور بول بھی نہیں سکتے اپنے مذہب اور اپنی ثقافت کی روایات کے لئے انھیں یکسر

یکسر اجنبی بنادیا جاتا ہے۔ وہ کرسمس مناتے ہیں اور عیدین کو نظر انداز کرتے ہیں۔ انھیں اسلام کے مبادیات تک کی خبر نہیں ہوتی۔ جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچتے ہیں تو وہی ہمارے لیڈر، حکمراں اور ہماری قسمتوں کے مالک بن بیٹھتے ہیں۔

ہماری قومی تعلیم کے نظام کی چھاپ کہ جو برطانوی اقتدار سے ہمیں ورثے میں ملا ہے وہ بھی کچھ کم غارت گرانہ نہیں ہے اگرچہ سرکاری اسکول مسلمانوں کو مرتد کرکے عیسائی نہیں بناتے مگر ان کے نامذہبی مادہ پرستانہ ماحول کا عملی نتیجہ جاہلیت، بےحسی اور سرد مہری کو جنم دیتا ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ جوانوں کی اکثریت اس کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے علی الرغم مسلمان رہتی ہے۔ چونکہ تم ابھی اسلام کے دائرے میں نووارد ہو میں چاہتا ہوں کہ تمھیں ان حقیقی وجوہات کا فہم حاصل ہوجائے کہ آخر کیوں مسلمان تجدّد کے سانچے میں ڈھلے جارہے ہیں اور نامسلمان ہوتے چلے جارہے ہیں اور آخر کیوں ان کی زبانیں اور ان کے قلم "کفر" کی تحریک کی چاکری کر رہے ہیں۔

تم جن مسائل سے دوچار ہو میں ان پر گہری تشویش محسوس کرتا ہوں۔ میں اچھی طرح ان آزمائشوں کے طوفانی مراحل کو جانتا ہوں جنھیں ان مردوزن کو سہنا پڑتا ہے جو سرزمینِ کفر میں اسلام سے رشتہ جوڑیں پھر مرد کے مقابلے میں عورت کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ تو نسبتاً کہیں زیادہ ہیں۔ ایک تلخ ذاتی تجربے کے ذریعے ہمیں اس کا پتہ چل سکا کہ یہ رواداری کا دعویٰ کرنے والے کیسے روادار اور وسیع النظر ہیں! اس قماش کے لوگوں سے بھی تمھاری مڈبھیڑ ہوگی جو دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کی "رہنمائی" کر رہے ہیں۔ اگرچہ انتہادرجے کے دشوار گزار مرحلے تمھارے سامنے سر اٹھائے ہوئے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ یہی تجربات اس میدان میں تمھیں قدم جماکر ایستادہ کریں گے اور آخرت میں تمھارے لئے ایک لازوال جزا کا تحفہ پیش کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر تم لاہور چلے آنے کی میری دعوت قبول کرلیتیں تو ان پریشانیوں سے خود کو بچالی جاتیں اور میں ہر ممکن طریقے پر تمھارے کام آتا لیکن امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اگر تمھارا خیال ہے کہ میں کوئی عملی مدد کرسکتا ہوں تو براہِ کرم مجھے صاف صاف بتائیں جو کچھ کرسکوں گا اس کے کرنے میں ذرا سا تامل نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی انتہائی رحمتوں کے ساتھ تمھاری مدد فرمائے اور تمھیں صبر و ثبات مرحمت فرمائے۔ فقط و السلام

تمھارا اسلامی بھائی ـــــ ابوالاعلیٰ

تجلّی کے ۲ خاص نمبر

حاصل مطالعہ نمبر تجلّی کی معروف دلچسپیوں کے علاوہ چند اہم ترین چیزیں یہ ہیں:۔ ● اسلامی تزکیۂ نفس تجلّی کے ۲۳ صفحات پر پھیلا ہوا مولانا مودودی کا شرح پرور مقالہ۔ ● شیخ عبداللہ کے خطوط:۔ چالیس صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ● تحریک اسلامی کی داستان:۔ خود مولانا مودودی کے قلم سے ۳۱ صفحات پر ● تحریک اسلامی اور اسکے مخالفین:۔ از مولانا مودودی ● تقلید کیا ہے:۔ تقلید کی شرعی اور عقلی حیثیت پر ایک بصیرت افروز مقالہ ـــــ اس شاندار نمبر کی قیمت ساڑھے تین روپے ہے۔ ایک ساتھ تین کاپیاں طلب کرنے پر ڈاک خرچ معاف۔

خاص نمبر ورق ورق علم و معلومات اور دلچسپیوں سے معمور، خصوصاً اس کا وہ حصّہ تو دستاویزی حیثیت رکھتا ہے جس میں مولانا مودودی پر کئے گئے اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے گئے ہیں۔ عصمتِ انبیاء، تنقید اور معیارِ حق، مسئلہ دجّال، تقلید، وقت السحور، مؤلفۃ القلوب، جمع بین الاختین، متعہ اور سجدۂ تلاوت بلا وضو کا مسئلہ ـــ ان موضوعات پر ائمہ و فقہا اور قرآن و حدیث کی صراحتیں ـــ ساڑھے پانچ روپے بھیج کر یہ خاص نمبر آپ طلب فرما سکتے ہیں (یہ دونوں نمبر ایک ساتھ طلب کرنے پر ڈاک خرچ معاف کردیا جائے گا)۔

منیجر تجلّی ـــــ دیوبند (یو۔پی)

ایشیا - لاہور

مولانا مودودی کی مجلس

ایک امریکی بہائی اور مولانا مودودی کے درمیان مکالمہ

بہائی فرقے سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جناب ڈگلس جو امریکہ سے تشریف لائے ہیں اور آج کل لاہور میں تعلیم اور مطالعے کے سلسلے میں مقیم ہیں مولانا کی مجلس میں موجود تھے۔ وہ انگریزی میں سوال کر رہے تھے اور مولانا بھی روان انگریزی میں جواب دے رہے تھے۔ لیجئے آپ بھی مسٹر ڈگلس اور مولانا مودودی کی گفتگو میں شریک ہو جائیے۔

"جناب عالی! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پاکستان میں ایک دینی جماعت کے قائد ہیں اور آپ کی جماعت پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور جیسا کہ مجھے آپ کی (انگریزی زبان میں لکھی ہوئی) کتابیں پڑھکر معلوم ہوا ہے کہ آپ اسی اسلامی انقلاب کو ساری دنیا میں برپا کرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں تو کیا اس زمانے میں ایسا ممکن ہے ــــ؟"

مسٹر ڈگلس خاموش ہوئے تو مولانا نے فرمایا:۔

"جی ہاں یقیناً ہم یہ عزم اور ارادہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے برحق نظام کو کائنات کے گوشے گوشے تک پہنچا دیں اور دنیا اپنی آنکھوں سے اسلامی انقلاب کو برپا ہوتے دیکھے اس کی خوبیاں ملاحظہ کرے اور اسکی برکات سے متمتع ہو ــــ ہمیں پورا یقین ہے کہ دنیا میں بالآخر اسلامی نظام آکر رہے گا۔ بدی کی قوتیں مٹ کر رہیں گی اور نیکی کی قوتوں کو فتح نصیب ہوگی۔"

مسٹر ڈگلس نے بتایا کہ وہ آج کل اسٹڈی کے لئے لاہور آئے ہوئے ہیں اور یہاں کے لوگوں کی روحانی قدروں سے گہرے شغف سے بہت متاثر ہوئے ہیں، مگر انھوں نے شکایتاً کہا:۔

"جناب والا! میرا یہ تاثر ہے کہ یہاں کے اکثر مذہبی لوگ جدید تعلیم سے یکسر بے بہرہ ہیں اس لئے آپ کی جماعت جو کام کر رہی ہے اس کے راستے میں اس وقت تک مشکلات حائل رہیں گی جب تک آپ تعلیمی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے۔"

مولانا نے فرمایا ــــ "پاکستان میں کسی غیر سرکاری

ادارے یا جماعت کے لئے نظامِ تعلیم کی اصلاح کرنا اتنا آسان نہیں۔ یہاں کی سرکاری تعلیم تقریباً لادینیت پر مبنی ہے مذہبی تعلیم جو کچھ محدود پیمانے پر دی جا رہی ہے وہ یا تو اس زمانے سے ہم آہنگ نہیں اور جو ہے بھی وہ اس لئے مؤثر ثابت نہیں ہوتی کہ اس تعلیم کا چلن نہیں ۔۔۔ مذہبی تعلیم پانے والوں کو یہاں کوئی سرکاری ملازمت نہیں ملتی جب کہ سیکولر تعلیم حاصل کرنے والے اونچے اونچے عہدوں پر فائز ہیں۔ ہمارے یہاں ابھی تک تعلیم کا وہی نظام رائج ہے جو ہمارے "فرنگی آقا" ہمیں عطا فرما گئے ہیں۔ ہمارے اربابِ اختیار نے اس میں رتی برابر تبدیلی کی زحمت گوارا نہیں کی۔" مسٹر ڈگلس کا اگلا سوال تھا:۔

"اس وقت دنیا میں جو تحریک بھی چل رہی ہے "قومیت" کی بنیاد پر چل رہی ہے مگر آپ قومیت کو رد کر رہے ہیں۔ میرا مطالعہ کہتا ہے کہ قومیت کسی ملک کو مربوط کرنے کے لئے دیوار کا کام دیتی ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟"

مولانا نے فرمایا:۔

"ہماری کتابِ ہدایت نے کسی مخصوص گروہ یا کسی مخصوص قوم کو خطاب نہیں کیا۔ قرآن عرب یا عجم کی تفریق روا نہیں رکھتا۔ وہ سفید و سیاہ کا امتیاز نہیں برتتا۔ قرآن نے جہاں مخاطب کیا ہے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کیا ہے۔ اس لئے ہماری تحریک بھی تمام بنی نوع انسان کی یکسانی قومیت پر یقین رکھتی ہے۔ ہم تمام انسانوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں بلا تفریق نسل و نسب اور بلا امتیاز رنگ و قامت شرط صرف یہ ہے کہ وہ سب ایک خدا کے حضور جھکتے ہوں ایک رسول کی اطاعت کرتے ہوں اور ایک کتاب کو اپنا سامانِ ہدایت خیال کرتے ہوں ۔۔۔ اگر کوئی آدمی کلمۂ توحید پڑھ لیتا ہے چاہے دنیا کے کسی دور دراز گوشے میں بستا ہو اس کا رنگ کالا ہو یا گورا، وہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری قوم MUSLIM کا ایک فرد ہے۔ اس عقیدے کی بنا پر جو میں نے بیان کیا ہے قومیت کے اس تصور کو جو آج دنیا میں رائج ہے ہم مسترد کرتے ہیں۔"

"کیا تمام دنیا "ایک قومیت" کے تصور پر ایمان لا سکتی ہے؟"

مولانا نے فرمایا:۔

"یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دنیا اسلام کی صداقتوں کو قبول کرے۔ ایک خدا، ایک کتاب اور ایک لیڈر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو تسلیم کرے۔ اس طرح خود بخود وہ عالمگیر قومیت (UNIVERSAL NATION-ALITY) وجود میں آجائے گی۔ تمام دنیا کے لوگ اخوت کی ایک رسی میں منسلک ہو جائیں گے۔ یہ سارے لڑائی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور امن و اخوت آشتی کا اجالا چاردانگ عالم کو منور کر دے گا۔"

اس موقع پر ایک مقامی "صاحب" نے انگریزی زبان میں سوال کیا:۔

"مولانا! اسلام کے پاس بے شک ایک "تھیوری" تو ہے مگر کیا اس پر عمل درآمد PRACTICE بھی ہو سکتا ہے؟"

مولانا نے فرمایا:۔

"جناب آپ مطالعہ فرمائیے، آپ کی نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہے گی کہ اسلام کے پاس جو ۔۔۔ (نظریۂ حیات THEORY) ہے اس سے زیادہ قابلِ عمل نظریہ آج تک دنیا نے نہیں دیکھا۔ جو نظریہ THEORY قابلِ عمل (PRACTICEABLE) نہ ہو وہ تو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل ہوتا ہے کروڑوں انسان اسے تیرہ سو سال تک سینوں سے لگائے نہیں رکھتے۔ اگر اسلام کو کوئی قابلِ عمل نہیں سمجھتا تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے جو بصیرت کے نور سے خالی ہیں اس سے اس نظریے کی ابدی صداقتوں پر کوئی حرف نہیں آتا۔"

مولانا محترم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"قرآن و سنت کا مطالعہ ڈوب کر کیجئے۔ اس طرح کہ آپ کو اسلام کی روح دکھائی دینے لگے۔ قرآن کی آیات میں غور کیجئے، نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

مطہرہ کا مطالعہ فرمائیے اور اسلام کے اولین معاشرے میں صحابۂ کرام کی پاکباز زندگیوں کا مطالعہ کیجئے۔ آپ خود بخود اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اسلام کے پاس اس کا اپنا ضابطۂ اخلاق ہے جو بے نظیر ہے۔ ایک بے مثال سیاسی نظام ہے اور ایک لاجواب معاشی نظام ہے اس کے دامن میں ہر زمانے کے ہر مسئلے کا بہترین حل موجود ہے ـــ اسلام نے جو کچھ پیش کیا حضور علیہ السلام نے سب سے پہلے خود اس پر عمل فرمایا۔ پھر آپ نے ایک بہترین اور مثالی معاشرہ ان ہی نظریات پر تعمیر فرما کر اس بات کا عملی ثبوت مہیا فرما دیا کہ اسلام محض نظریاتی نہیں بلکہ انتہائی درجے کا عملی دین ہے۔

اسلام کی عالمگیر اور ابدی صداقتوں کی مثال دیتے ہوئے مولانا نے وضاحت کی :۔

"جب با جماعت نماز ادا کی جا رہی ہو تو دیکھئے اخوت، اتحاد اور یگانگت کا کیسا شاندار مظاہرہ ہوتا ہے ـــ خدا آپ کو حج پر جانے کی توفیق بخشے تو وہاں دیکھئے جہاں مسلمانوں کی "کل عالمی برداری" کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے کتنے مختلف ملکوں کے انسان وہاں یکجا ہوتے ہیں، کتنے رنگ ہیں، کتنی مختلف زبانیں ہیں مگر نہ زبان و نسل کا کوئی تنازعہ ہے نہ قامت و رنگ کا کوئی امتیاز ـــ سب ایک ہی جذبۂ توحید سے سرشار ہیں۔ شاہ و گدا ایک ہی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں ـــ کیا نسلی امتیاز کے خلاف اس سے بہتر ضابطہ دنیا کا کوئی نظام پیش کر سکتا ہے ؟"

مجلس کے اختتام پر ڈگلس صاحب نے مولانا سے کوئی نصیحت کرنے کو کہا ـــ مولانا نے فرمایا :۔

میری نصیحت آپکو یہ ہے کہ آپ اسلام اور "بہائی ازم" کے درمیان فرق کو سمجھنے کیلئے اسلام کا اچھی طرح مطالعہ کریں۔ بہائیز نے اسلام کے ساتھ ماڈرن ازم کا پیوند لگانے کی کوشش میں اسلام کا حلیہ تبدیل کر دیا ہے۔ اسلام بے لگامی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام قبول کرنیکے بعد ہمارا کام یہ ہے کہ بے چون و چرا اپنے آپکو خدا کے احکام کا پابند کریں نہ کہ خدا کے احکام کو اپنے پیچھے چلائیں خدا کے قائم کردہ اصولوں کو بدلنے کا اختیار خدا کے نبیؐ کو بھی نہیں ہے پھر ہماری اور آپ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ خدا کے بنائے ہوئے مکمل دین میں کمی یا اضافہ کریں۔

(ایک خط کا جواب)

جماعتِ اسلامی اور صوفی نذیر احمد

۲۶ر مارچ کے صدقِ جدید میں چھپے ہوئے صوفی نذیر احمد کے جس مضمون کا تراشہ آپ نے بھیجا ہے وہ ہماری نظر سے پہلے ہی گزر چکا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی بد ذوقی کی بناء پر صوفی صاحب کے کسی بھی مضمون کو پورا پڑھنے کی توفیق کم ہی پاتے ہیں۔

آپ نے اس مضمون کی روشنی میں سات سوال قائم کئے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دو کا بھی جواب اپنے بس کی بات نظر نہیں آتی۔ دراصل صوفی صاحب کی شخصیت اتنی بلند ہے کہ ان کے ارشاداتِ عالیہ پر نقد کسی مٹی کے پتلے کو شاید ہی زیب دے۔ وہ انتہائی مخلص ہیں۔ انتہائی دردمند۔ انتہائی نکتہ رس اور ان تمام انتہاؤں کے ساتھ بلندیِ خیال کی انتہا بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ وہ بارہا اتنی اونچی سطح سے سوچتے اور بولتے ہیں کہ ہم جیسے بالشتیوں کو سیڑھی لگائے بغیر کچھ بھی سننا اور سمجھنا میسر نہیں آسکتا۔ سیڑھی بھی مہیا کرلی جائے مگر وہ تو بعض مرتبہ ثریا اور مریخ کی سطح سے کلام کرنے لگتے ہیں۔ اب اتنی اونچی سطح تک ہم جیسا بے بضاعت کس سواری میں پہنچے۔

جہاں تک مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر اعتراضات کا تعلق ہے سال میں ایک ہزار ایک سو ایک اعتراضات ہماری آنکھوں اور کانوں کی راہ دل میں اترتے رہتے ہیں پھر ان میں جو ذرا اونچی سطح کے ہوتے ہیں وہ تو دماغ کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور جو نیچی سطح کے ہوتے ہیں وہ معدے میں جا بیٹھتے ہیں اور دماغ کو ہوا بھی نہیں لگتی کہ وہ کس طرف کھسک گئے۔

پس اعتراضات کی یلغار میں ہمارے لئے نہ کوئی ندرت ہے نہ دلکشی۔ نہ ہم نے ہر اعتراض سے کشتی لڑنے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں بھی تو ہر اعتراض سے ہاتھا پائی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اتنی لمبی عمر اور اتنی فرصت کہاں سے لائیں۔ عمرِ نوح بھی اس کے لئے کفایت نہ کرسکے گی۔

آپ دیکھتے ہی ہیں کہ جب کوئی ڈھنگ کا اعتراض سامنے آتا ہے تو ہم بہرحال بھیجا کھپانے کی زحمت اٹھاتے ہیں اور کبھی کبھی تفنن کے طور پر بے ڈھنگے اعتراضات پر بھی صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں۔ لیکن جہاں تک محترم صوفی نذیر احمد صاحب کے فرمودات کا تعلق ہے وہ عموماً ڈھنگ اور بے ڈھنگ کسی خانے میں نہیں آتے اور ان کا ہیچ کچھ ایسا عجیب وغریب ہوتا ہے کہ طبیعت میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوتی۔ نہ جوش نہ مزاح۔ نہ اُمنگ نہ ترنگ۔ اُردو میں یوں کہئے کہ طبیعت یکدم گُنگ ہوکر رہ جاتی ہے۔ جدید زبان میں شاید اسی کو بوریت سے تعبیر کرتے ہوں۔

ویسے ایک بات آپ نوٹ فرمالیں۔ ہم جماعت اسلامی یا مولانا مودودی کی حمایت نظریات وافکار کے رُخ سے کرتے ہیں۔ یہ ضمانت ہم نے کبھی نہیں لی کہ افراد واشخاص کے

ذاتی اعمال وکردار کو بھی ہر حال میں سراہیں گے۔ کشمیر یا راولپنڈی یا کسی بھی جگہ جماعتِ اسلامی کا کوئی فرد یا افراد مرغی کے انڈے سے شترمرغ برآمد کرنے کی سعیِ جمیل فرمائیں تو ہم اس کے حسن وقبح پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

متذکرہ مضمون میں صوفی صاحب نے جماعتِ اسلامی کے کسی فرد کی اُس تقریر پر طبع آزمائی کی ہے جو بقول ان کے دو برس پہلے کی گئی تھی۔ ہمارے نزدیک کسی بھی شخص کی تقریر اس وقت تک سنجیدہ گفتگو کا موضوع نہیں بن سکتی جب تک اس کے متن کا مصدقہ ہونا طے نہ ہو۔ صوفی صاحب نے مقرر کے جو فقرے نقل کئے ہیں وہ ان کی اپنی سند سے زیادہ کوئی پشت پناہ نہیں رکھتے۔

البتہ مولانا مودودی کے بیانات سے جو سطور انھوں نے لی ہیں وہ مستند کہی جاسکتی ہیں مگر ان سے جو مطلب انھوں نے اخذ کیا ہے وہ کج دماغی کا شاہکار ہے۔ مولانا مودودی کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی میں دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث سبھی شامل ہیں۔ ان میں فقہی جزئیات اور ضمنی عقائد میں جو بھی اختلافات ہوں انھیں نزاع اور کشتی کا موضوع بنانے کے بجائے یہ سب اسلام کی سربلندی اور متفق علیہ مقاصد اور مشترکہ تقاضوں کے لئے سر جوڑ کر جدوجہد کرتے ہیں۔

اب صوفی صاحب نے اس کا یہ مفہوم اخذ کرلیا کہ مودودی صاحب کو رسوم وبدعات پر کوئی اعتراض نہیں اور اس مفہوم کی بنیاد پر وہ اپنے خاص انداز میں متعدد سطریں لکھ ڈالتے ہیں جن کی سطح ثریا اور مریخ سے کم بلند نہیں مثلاً

"یہ ہے تجدیدِ دین سے ایک قدم بڑھ کر
تاسیسِ دین کا دعویٰ کرنے والے ہمارے
ایک بھائی کا نظامِ اسلام۔"

گویا عرس، قوالی اور دیگر رسوم وبدعات کے بارے میں مولانا مودودی کے خیالات ان کی دوسری تحریروں میں تو کہیں موجود ہی نہیں بس یہی بیان جس میں صوفی صاحب کیڑے ڈال رہے ہیں واحد بیان ہے جس سے رسوم وبدعات کے متعلق مولانا مودودی کا نقطۂ نظر اخذ کیا جاسکتا ہے۔

فرمائیے اس سے بڑا تجاہلِ عارفانہ ——— یا پھر سپاٹ جہل اور کیا ہوگا۔

یا مثلاً ——" یہ ہے سیاسی اقتدار کے اہرمن
کو مقصدِ دین قرار دینے کا پھل ——"

صوفی صاحب سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام کو مسندِ اقتدار پر متمکن دیکھنے کی جدوجہد اور آرزو "اہرمن" کہلانے کی سزاوار ہے تو کیا "یزداں" آپ اُس جدوجہد کو کہیں گے جو اسلام کی رہی سہی عزت، شوکت اور قوت کو بھی ملیامیٹ کرنے کے لئے کی جائے۔ کیا آپ کے نزدیک اسلام اسی لئے آیا تھا کہ اس کے نام لیوا ذلت وخواری، غلامی، بے سروسامانی اور باطل کی چاکری پر قناعت کریں اور اقتدار واختیار کا نام بھی منھ سے نہ نکالیں۔

مزید فرمایا جاتا ہے:-

" اقامتِ نظامِ اسلامی اور اقامتِ دین کے
مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینے کا وقت ہے۔"

گویا صوفی صاحب کا خیال یہ ہے کہ مولانا مودودی تو نادان ٹھیرے۔ اسلام اور اس کے دقائق پر عبور صرف مجھے حاصل ہے۔ مجھ سے رہنمائی لے کر جماعت اسلامی والے اقامتِ دین اور اقامتِ نظامِ اسلامی کے باریک فرق کو سمجھ سکتے ہیں!

خیر یہ تو ہوا ہی تھا۔ ایک اور بیش بہا ارشاد ملاحظہ ہو

" امت میں تجدیدِ دین کی لاریب اور مسلّمہ صورت
کیا ہے اور کائناتِ انسانی کے لئے "کلمۂ سواء"
کی دعوت کو زندہ کرنے کی کیا شکل ہے۔ اگر اللہ نے
چاہا تو اس کے متعلق پھر کسی وقت کچھ عرض کیا جائیگا۔"

یعنی صوفی صاحب کو قلم چلاتے اتنا زمانہ گذر گیا اور عمر کے اعتبار سے وہ قبر کے کنارے جا لگے مگر ابھی تک وہ اُس راز کو پیٹ میں چھپائے پھر رہے ہیں جسے پہلے دن ظاہر کردینا ہمدردیِ ملت کا تقاضا تھا۔ مودودی صاحب تو نادان ہیں لیکن جب صوفی صاحب ماشاء اللہ تجدیدِ دین کی

اُس نادر صورت کا علم رکھتے ہیں جو لاریب بھی ہے اور مسلّمہ بھی تو ان کا تو فریضہ یہ تھا کہ سالہا سال تک طولانی اور بے مصرف مضامین لکھنے کے بجائے پہلی فرصت میں مولانا مودودی کو اطلاع دیتے کہ برخوردار! تجدیدِ دین اور دعوتِ حق اور خدمتِ ملک و ملت کی صحیح شکل یہ ہے۔ میں تمھیں بغیر کچھ لئے دیئے سرِّ الٰہی اور رموزِ کائنات سے آگاہ کرتا ہوں۔

افسوس ہمارے سر میں درد ہونے لگا۔ لہٰذا "صوفی صاحب زندہ باد" کے نعرے پر یہ خامہ فرسائی ختم۔ اب آپ کے سات سوالوں میں سے صرف ایک کا جواب دیئے دیتے ہیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

آپ نے مولانا مودودی کے منقولہ بیان کی روشنی میں دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث وغیرہ کے درمیان رواداری برتنے کا مطلب پوچھا ہے۔

اس کا مطلب ہر سلیم الطبع اور صحیح العقل آدمی کے لئے روزِ روشن کی طرح صاف ہے۔ آپ غور فرمائیے کہ قابلِ عمل دو ہی تو صورتیں ہیں۔ یا تو جماعتِ اسلامی یا کوئی بھی داعیِ حق گروہ یہ طے کرلے کہ اسلام اور ملتِ مسلمہ پر جو مصائب ٹوٹے ہیں اور ذلت و خواری، انتشار اور بدحالی کے جو غلاف چڑھ گئے ہیں ان کی طرف توجہ دینے سے پہلے ہم ملت کے اُن فرقوں سے لڑیں گے جو ہمارے نقطۂ نظر سے بدعتی اور بدعقیدہ ہیں۔ انکا مکمل تیا پانچہ کریں گے اور آخر کار جب ساری امت بدعات و خرافات سے توبہ کرلے گی اور سب کے سب اُن عقائد پر متفق ہوجائیں گے جنھیں ہم حق سمجھتے ہیں تب ہم اسلام اور ملتِ اسلام کی طرف سے مشترکہ دفاع کا فریضہ انجام دیں گے۔

یا پھر وہ یہ فیصلہ کرے کہ آپس کی فرقہ وارانہ جنگ میں وقت برباد کرنے کے عوض ہم تمام اسلامی فرقوں کو مشترک اور متفق علیہ مقاصد و مناہج کے رشتے سے متحد کرلیں اور سب کی مجموعی قوت کو طاغوت کے خلاف استعمال میں لائیں۔

ان دونوں شکلوں میں صریح طور پر شکلِ ثانی ہی قابلِ عمل، نتیجہ خیز اور مفید ہے۔ شکلِ اول سے وقت اور قوت کی بربادی کے سوا کم ہی کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محض مباحثوں اور مناظروں سے کوئی فرقہ دوسرے فرقے کو ختم نہیں کرپاتا۔ متذکرہ مکاتبِ خیال میں کب سے بحث اور لفظی جنگ و جدال کا بازار گرم نہیں مگر کیا بریلوی ختم ہوگئے یا اہلِ حدیث فنا کے گھاٹ اُتر گئے یا شیعہ حضرات کا وجود نہیں رہا۔

ظاہر بات ہے کہ باہمی رواداری، سیر چشمی، برداشت اور وسیع النظری کے بغیر آپس کا افتراق کم نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اس روش کو چھوڑنا ہوگا کہ جو شخص یا گروہ کسی بھی مسئلے میں ہم سے مختلف خیال اور عقیدہ رکھتا ہے اس پر لازماً جارحانہ مارہی کریں اور نقاطِ اتفاق ڈھونڈنے کے بجائے نقاطِ اختلاف کی تلاش میں رہو۔ اختلافِ آراء انسانی فطرت ہے۔ صحابہؓ تک تمام جزئیات میں متفق العقیدہ نہیں تھے۔ دیوبندی اگر اس خبط میں مبتلا ہوگا کہ مناظرانہ دلائل کی مار سے تمام بریلویوں اور اہلِ حدیثوں اور شیعوں کو موت کی نیند سلا دے تو وہ احمقوں کا سرتاج کہلائے گا اور دوسرا کوئی مکتبِ خیال یا فرقہ اس چکر میں پڑے گا تو اسے بھی خسران و نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

علمی سطح پر سنجیدہ بحثیں اپنی جگہ۔ مولانا مودودی یہ نہیں کہتے کہ بریلوی یا اہلِ حدیث وغیرہ کے جن عقائد و افکار سے ہمیں اختلاف ہے ان کا علمی رد کیا ہی نہ جائے۔ وہ تو خود بھی اپنی تفسیر قرآن میں، اپنے مضامین اور کتابوں میں نقد و جرح کا یہ کام برابر کرتے ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کا منشاء یہ ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق، اقامتِ دین اور غلبۂ اسلام کے جس مشن اور تحریک کی مطلوبیت اور

محمودیت میں مسلمانوں کے کسی مکتبِ فکر اور فرقے کو اختلاف نہیں ہے اس کی خدمت سب کو مل جل کر کرنی چاہیئے اور اس خدمت کی راہ میں دوسرے اختلافات کو حائل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

فرمایئے کیا اس سے بڑھ کر معقول، لائقِ عمل، بارآور اور موزوں بات کوئی ہو سکتی ہے۔ اب اگر کسی دماغ کا سانچا ہی بگڑ گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں جو بھی بات جائے گی اپنا حلیہ بگاڑ لے گی۔ اس کی دوسری نظیر صوفی صاحب کے اسی مضمون میں یہ ہے۔

اخبار دعوت سے موصوف نے مولانا مودودی کے یہ الفاظ نقل کئے:۔

"میں ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگ اسلام کی تبلیغ کرنے نہیں اٹھے ہیں (صرف اسلام کو الیکشن اسٹنٹ بنانے کے لئے اٹھے ہیں) بلکہ صرف اس لئے اٹھے ہیں کہ وہ نظام اپنی ہمہ گیر مکمل صورت میں قائم ہو جو اسلام نے ہمیں دیا ہے۔"

اندازہ کیجئے۔ بریکٹ میں جو فقرہ آپ دیکھ رہے ہیں وہ صوفی صاحب کا اضافہ کردہ ہے۔ ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم یہ کہیں کہ کسی صوفی کی داڑھی کا طول ہی اگر اس بات کی ضمانت ہو کہ وہ دوسروں کی نیت کے بارے میں بلا تکلف قطعی فیصلہ دینے کا مجاز ہے تو بیشک محترم صوفی نذیر احمد کو ہم ملہم مانے لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسروں کی نیت پر حملہ کرنے سے پہلے خدا کے خوف اور احتساب آخرت کے فکر کو بھی کوئی اہمیت حاصل ہے تو انصاف کیا جائے کہ جماعتِ اسلامی کو محاسبۂ نفس اور دیانت وغیرہ کا سرمن دینے والے بزرگوار کتنی ڈھٹائی کے ساتھ اُس مودودی کی اسلام دوستی کو "الیکشن اسٹنٹ" کا نام دے رہے ہیں جو تقریباً تیس سالوں سے ایک ہی راہ پر ایک ہی دھن میں چلا جا رہا ہے۔ چمڑے کی زبان کا اتنا بے محابا استعمال صوفیوں کو زیب دے تو دے کسی غیر صوفی مومن سے تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ وقت کی ایک عظیم ہستی کی نیت پر ایسے بھونڈے انداز میں حملہ آور ہو گا۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھی جائے کہ منقولہ عبارت مولانا مودودی کے بیان کی ہے ان کی کسی تحریر کی نہیں۔ بیان کے نقل میں کسی لفظ کا چھوٹ جانا یا بدل جانا کمیاب نہیں پہلا فقرہ حقیقتہً یوں تھا:۔

"ہم لوگ اسلام کی صرف تبلیغ ہی کرنے نہیں اٹھے بلکہ ــــ"

ایک پرائمری کا طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ مولانا مودودی تبلیغ اسلام کی تحقیر نہیں کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ تبلیغ پر اکتفا کرنے کے بجائے ہم نظامِ اسلامی کے عملی اور ہمہ گیر قیام کے بھی ساعی ہیں۔ اب دیکھئے صوفی صاحب نے اس پر کیا ریمارک کیا۔

فرماتے ہیں کہ ــــ "یہ ہے مودودی صاحب کے بنیادی عقائد کا ایک حصہ جو دین کی تبلیغی روح کو کھائے جا رہا ہے۔"

اور اس کے بعد نہایت بے محل اور گستاخی معاف بچکانہ طور پر چند آیات و احادیث نقل فرما دیں۔ علاوہ ازیں مذکورہ عبارت نقل کرنے سے قبل بھی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرح تو اسلام ایک تبلیغی مذہب ہونے کے بجائے ایک فسطائی کلیت رہ جاتا ہے۔ پھر آخر میں کہتے ہیں:۔

"فسطائی کلیت کے ظلم سے جہاد فی سبیل اللہ کے ڈانڈے ملانا انتہائی بددیانتی ہو گی لہٰذا اس بددیانتی کو یکسر دل سے نکال کر محاسبۂ نفس کا وقت ہے۔"

ہمیں کوئی بتائے یہ معنی آفرینی اگر صحیح الدماغی کی ضامن ہو سکتی ہے تو خللِ دماغی کس چیز کا نام ہو گا۔ مولٰنا مودودی نے سیدھے سادھے الفاظ میں وہی بات کہی تھی جو تمام داعیانِ حق کہتے آئے ہیں اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا خلاصہ اور سیرتِ طیبہ کا لبِّ لباب اور اسوۂ و کردار کا مغز ہے۔ اس میں صوفی صاحب کو "فسطائی کلیت"

کا جلوہ نظر آگیا۔ اگر دیکھنے کا یہی انداز ہے تو پھر بتایا جائے کہ وہ قرآن کے اِس ارشاد کے بارے میں کیا فرمائیں گے۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى الآیۃ (اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک۔ سورۂ توبہ۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اور قرآن میں یہی بات سورۂ فتح اور سورۂ صف میں دہرائی۔ اسلامی نظام کو اپنی ہمہ گیر مکمل شکل میں (نہ کہ ناقص اور فروعی شکل میں) قائم کرنے کی خواہش اور کوشش اگر "فسطائی کلیت" ہے تو ان آیات کو اس سے بھی بڑا کوئی الزام دینا چاہیئے۔ ان میں تو لگی لپٹی رکھے بغیر غلبے کی بات کہی گئی ہے جو "اقتدار" سے مختلف کوئی چیز نہیں اور یہ بھی جتا دیا گیا ہے کہ مشرکین کے برا ماننے کی پروا نہ کی جائے۔

پتہ نہیں کونسی خوردبین سے صوفی صاحب نے یہ دیکھ لیا ہے کہ مولانا مودودی کی صاف وسادہ عبارت میں جبر وتشدد کے کیڑے بھی کلبلا رہے ہیں اور وہ زبردستی لوگوں کو مومن بنانا چاہتے ہیں۔ سخن فہمی عالم بالا اسی کا نام ہے قرآن کو لوگوں نے کھلونا سمجھ لیا ہے چنانچہ صوفی صاحب بلا تکلف اس موقعہ پر اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ الآیۃ (اے رسول! کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتا ہے) والی آیت گھسیٹ لائے اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا نعرہ اُچھال دیا۔ ہے کوئی نظر باز جو سراغ لگا کر بتائے کہ مولانا مودودی کی منقولہ عبارت میں کس لفظ سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ لوگوں سے زبردستی اسلام قبول کرانے پر اُترے ہوئے ہیں اور جبر وتشدد کے ذریعے اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفی صاحب نے محض اپنی علمی شان جتلانے کے لئے "فسطائی کلیت" اور "ثقافتی انضمام" اور "تاسیس دین" جیسے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرنے ضروری سمجھے ہیں ورنہ حقیقی ضرورت تو ان کی مضمون میں کہیں نظر نہیں آتی۔ ہم موصوف کو اس نمائش کے بغیر بھی علامہ اور ابوالکلام ماننے کو تیار تھے مگر یہ تو بڑی ناسمجھی کی بات ہے کہ وہ پرائے شگون میں اپنی ناک کاٹے لیتے ہیں۔ یعنی مولانا مودودی کی ہوا اُکھاڑنے کے چکر میں اپنے ہی علم وعقل کو مذاق کا موضوع بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولنا مودودی کا منقولہ عقیدہ دین کی تبلیغی روح کو تو بعد میں کھائے گا پہلے اس نے اُن غلط اندیشوں کی نیندیں چٹ کر لی ہیں جنھیں خوش فہمی یہ ہے کہ وہ دین ودانش کے فلکِ ہفتم پر قیام رکھتے ہیں اور مودودی کو الف، ب پڑھنے کے لئے ان کے آستانے پر حاضری دینی چاہیئے۔

یہ جو کچھ ہم نے لکھا اگر کسی کو اس میں تنقیدی نظم اور حسن ترتیب نظر نہ آئے تو اس کی وجہ وہی ہے جو شروع میں ہم نے عرض کی۔ یعنی محترم صوفی صاحب تنقید سے بالاتر لوگوں میں ہیں۔ ان کے علم کلام سے ذہنی پنجہ کشی کرنے کے لئے ہاتھی کا بھیجا چاہیئے۔ وہ اس نادر فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے کہ سلائی مشین کا پرزہ ہوائی جہاز میں جوڑ دیں۔ ریل کا بالمہ موٹر سائیکل میں فٹ کر دیں۔ مکھن سے صابن بنا ڈالیں اور پتھر پیس کر روٹیاں تیار کرا لیں۔ وہ برابر لکھتے رہتے ہیں اس سے بے نیاز ہو کر کہ کتنے قارئین ہیں ان کے مضامین پڑھنے اور ہضم کرنے کا بل بوتا ہے۔

بہر حال وہ معتنم بزرگ ہیں۔ اللہ انھیں ہزار سال زندہ رکھے اور صدقِ جدید وغیرہ میں چھپنے کی توفیق برابر دیتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

تجلّی

اگر آپ کے نزدیک دین وملت کیلئے مفید ہے

تو

اسے زیادہ سے زیادہ اشاعت دینے کی مخلصانہ کوشش فرمائیے۔

مطبوعات دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

سیرۃ النبیؐ مکمل در چھ جلد	غیر مجلد	۸۶/-
سیرۃ النبیؐ 〃	مجلد ریگزین	۹۵/-
مختصر تاریخ ہند	غیر مجلد	۴/-
ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی ایک جھلک	غیر مجلد	۱۰/۲۵
اسلام کا فوجی نظام	〃	۱۰/-
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے	〃	۱۳/-
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے	〃	۷/-
دینِ رحمت (نئی کتاب)	〃	۱۰/-
ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں	〃	۲/۷۵
عہدِ مغلیہ مسلمان اور ہندو مورخین کی نظر میں	〃	۱۱/-
ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر	〃	۵/-
الغزالی ۲۰×۳۰/۸ سائز پر	〃	۵/-
تاریخ سندھ	〃	۸/-
ہندوستان عربوں کی نظر میں مکمل در دو حصہ	〃	۱۶/-
الفاروق ۲۰×۳۰/۸ سائز پر	〃	۱۰/-
مقالات شبلی ۱ تا ۷ حصہ	〃	۲۳/۵
تاریخ اندلس	〃	۹/-
تاریخ دولت عثمانیہ مکمل در دو حصہ	〃	۹/۲۵
مآل و مشیت (علم فلسفہ پر)	〃	۲/۵۰
فہم انسانی (〃 〃)	〃	۳/-
مکالمات برکلے (〃 〃)	〃	۳/-
تاریخ صقلیہ دوم	〃	۱۰/-
اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں	〃	۱۰/-
شعر العجم مکمل ۱ تا ۵ حصہ	〃	۲۷/۵۰
شعر الہند در دو حصہ مکمل	〃	۱۹/-

مکاتیب شبلی	غیر مجلد	۷/-
انتخابات شبلی	〃	۴/۲۵
سوانح المثنوی (سوانح مولانا رومؒ)	〃	۱۰/۵۰
بزم مملوکیہ	〃	۷/-
الفوز العظیم (اردو سفرنامہ حج)	〃	۱/-
سیر الصحابہ ششم (اول)	〃	۶/-
〃 〃 ہفتم (دوم)	〃	۶/۵۰
سیر انصار در دو حصہ	〃	۱۳/-
اہلِ کتاب صحابہ و تابعین	〃	۳/-
اسوۂ صحابیاتؓ	〃	۲/-
مقالاتِ احسان	〃	۱۰/-
مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں	〃	۴/-
عربوں کی جہازرانی	〃	۶/-
یادوں کی دنیا	〃	۱۱/-
ارمغانِ سلیمان (سید سلیمان ندوی کا منظوم کلام)	〃	۳/-
نوائے حیات (مجموعہ کلام یحییٰ اعظمی)	〃	۳/۵۰
نوائے عصر (〃 〃 〃)	〃	۳/-
خلفائے راشدین	〃	۷/۵۰
تاریخ اسلام مکمل (مولانا معین الدین)	〃	۳۶/-
ہمار بادشاہی	〃	۴/-
سیرت حضرت عائشہؓ	〃	۷/-
اسلام اور عربی تمدن	〃	۸/۵۰
اسلام کا سیاسی نظام	〃	۶/-
سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	〃	۴/-
المامون	〃	۵/-
حکمائے اسلام مکمل ہر دو حصہ	〃	۷/-
ہندوستان کی کہانی	〃	۲/-
کلیات شبلی	〃	۲/۲۵
خطبات شبلی	〃	۳/-
کشمیر سلاطین کے عہد میں	〃	۹/۵۰
تذکرۃ المحدثین	〃	۸/۵۰

ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں	غیر مجلد	۵/-
افکارِ عصریہ	〃	۶/-
خطبات مدراس	〃	۳/۵۰
مقالات سید سلیمان ندویؒ در دو جلد	〃	۳/۵۰
برکلے اور اس کا فلسفہ	〃	۲/۲۵
طبقات الامم	〃	۳/-
انقلاب امم	〃	۴/-
امام رازیؒ	〃	۸/-
اقبال کامل	〃	۸/-
ارض القرآن مکمل در دو جلد	〃	۱۰/۵۰
محمد علی کی ڈائری در دو جلد	〃	۱۴/-
دروس الادب (اول)	〃	-/۵۰
دروس الادب (دوم)	〃	-/۶۲
تابعین	〃	۱۰/۵۰
گجرات کے تمدن کی تاریخ	〃	۶/-
اسوۂ صحابہؓ (اول)		۱۴/-
اسوۂ صحابہؓ (دوم)		۸/-
مہاجرین مکمل	غیر مجلد	۱۵/-
معارف کا سلیمان نمبر	〃	۴/۵۰
بشریتِ انبیاء	〃	۲/۲۵

کتابیں مجلد منگوانی ہوں تو وضاحت کریں۔

سائز کتابی (تجلی کا نصف) صرف پشتہ ۳۰ پیسے، کونہ پشتہ ۵۰ پیسے، مکمل ریگزین ۷۵ پیسے

۲۰×۲۶/۸ (تقریباً تجلی سائز) صرف پشتہ ۵۰ پیسے۔ کونہ پشتہ ۹۰ پیسے۔ مکمل ریگزین ۱/۵۰-

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو-پی)

دو غلام

ایک کہانی

ترجمہ مصطفیٰ اکمل

آقا ـــ غلام، چلو ادھر۔

غلام ـــ آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں آقا۔

آقا ـــ میرا رتھ تیار کراؤ اسے میرے سامنے حاضر کردو۔ میں کونسل میں شرکت کرنے کے لئے جارہا ہوں۔

غلام ـــ جائیے کونسل میں شریک ہوئیے۔ آپ جو چاہیں گے آپ کا مدعا وہیں پورا ہوگا۔

آقا ـــ نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔

غلام ـــ نہ جائیے آقا..... مت جائیے۔ وہ لوگ آپ کو کسی مہم پر بھیج سکتے ہیں یا بحیثیت سفیر کسی خطرناک سرزمین کی طرف روانہ کرسکتے ہیں۔ اس طرح رات دن آپ کو خطرات ہی میں گھرا رہنا ہوگا۔

▲

آقا ـــ غلام، چلو ادھر۔

غلام ـــ آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔

آقا ـــ فوراً میرے لئے پانی لاؤ میں دعوت میں جارہا ہوں۔

غلام ـــ جائیے آقا، دعوت میں ضرور جائیے۔ ان ذائقہ دار قابوں سے بہتر چیز اور کیا ہوسکتی ہے؟

آقا ـــ نہیں غلام، میں دعوت میں نہیں جاؤنگا۔

غلام ـــ دعوت میں نہ جائیے۔ میرے آقا۔ دعوت میں نہ جائیے انسان جتنا زیادہ کھاتا ہے۔ اس کی بھوک اتنی ہی زیادہ کھلتی ہے اور جتنا ہی پیتا ہے اس کی پیاس اتنی ہی بڑھتی ہے۔

▲

آقا ـــ غلام ادھر آؤ۔

غلام ـــ آپ ہی کے رحم وکرم پر آقا میں حاضر ہوں۔

آقا ـــ رتھ تیار کراکر میرے سامنے حاضر کردو۔ میں شکار کے لئے جارہا ہوں۔

غلام ـــ میرے آقا، جائیے شکار پر ضرور جائیے شکاری ہمیشہ غذا پاتے ہیں اور ان کے کتے شکار کی ہڈیاں اور ان کے باز چھیچھڑے۔

آقا ـــ نہیں غلام، میں شکار کھیلنے نہیں جاؤنگا۔

غلام ـــ نہ جائیے...... میرے آقا..... نہ جائیے..... کیونکہ شکاری ہمیشہ خالی ہاتھ لوٹتے ہیں ان کے کتے دانت کٹکٹاتے ہیں اور ان کا باز..... کسی دیوار کے سوراخ میں غائب ہوجاتا ہے۔

▲

آقا ـــ غلام، ادھر آؤ۔

غلام ـــ آپ ہی کے رحم وکرم پر آقا..... میں حاضر ہوں۔

آقا — میں ایک عورت سے عشق کرنا چاہتا ہوں
غلام — جائیے میرے آقا عشق کیجئے...... ایک مرد جب کسی عورت سے عشق کرتا ہے تو وہ ساری دنیا کو بھول جاتا ہے۔
آقا — نہیں..... غلام...... میں کبھی عشق نہ کروں گا۔
غلام — عورت ایک دام ہے، ایک دھوکا ہے ایک عورت مرد کی گردن کاٹنے کے لئے دودھاری چھری ہے۔ عشق میں نہ پھنسئے آقا۔

▲

آقا — غلام، ادھر چلو۔
غلام — آقا، آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے حاضر ہوں۔
آقا — میں قرضہ دینے کے لئے شہر جا رہا ہوں۔
غلام — ضرور جائیے میرے آقا، ضرور، دہی تو قرض دے سکتا ہے جو ریشہ پیسہ ڈالا ہو۔
آقا — نہیں غلام..... میں کسی کو ایک پیسہ بھی قرض نہیں دوں گا۔
غلام — آقا، کسی کو قرض نہ دیجئے۔ قرض دار آپ کی دولت اور سود دونوں ہضم کر لیں گے اور اس کے بدلہ میں شاید نفرت کے علاوہ کچھ نہ دیں گے۔

▲

آقا...... غلام، ادھر چلو۔
غلام — آقا، آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔
آقا — میں اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
غلام — بہت ہی خوب..... میرے آقا...... میرے آقا..... بہت ہی خوب...... قادر مطلق ایسے خدمت گاروں کے نمایاں کارناموں کا بہترین صلہ دیتا ہے۔
آقا — نہیں غلام، میں ایسی کوئی نمایاں خدمت انجام نہیں دوں گا۔
غلام — آپ صحیح کہتے ہیں آقا..... کسی مقبرہ پر چڑھ جائیے۔ امراء اور عام انسانوں کی کھوپڑیوں کو دیکھئے، کون بتا سکتا ہے کہ ان میں کون صالح تھے...... اور کتنے برائی کے جنم داتا۔

▲

آقا — غلام، چلو ادھر۔
غلام — آپ ہی کے رحم و کرم پر آقا...... میں حاضر ہوں۔
آقا — میرے دل میں ایک خیال ابھر رہا ہے، آؤ ہم دونوں اپنے کو ہلاک کر ڈالیں، اور جسم کو سمندر کے حوالے کر دیں۔
غلام — کیا آپ اتنے سنجیدہ ہو سکتے ہیں کسے کیا علم بہشت میں کیا ہو گا، اور کس میں اتنی ہمت کہ جہنم کے غاروں کی گہرائی ناپے؟
آقا — تب میں پہلے تمہیں ہی ہلاک کر کے وہاں بھیجدوں تاکہ تم وہاں کے حالات کا پتہ لگا سکو۔
غلام — لیکن میرے آقا...... کیا آپ تین دن بھی میرے بغیر زندہ رہ سکیں گے ■■

جناح اور موتی لال

یہ جناح اور موتی لال کے اسی باہمی تعاون کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں لوہے اور فولاد کی صنعتیں مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔ موتی لال کے دل میں جناح کی بے حد عزت تھی اور وہ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ بالکل یہی معاملہ جناح کا موتی لال کے ساتھ تھا۔

(کانجی دوارکا داس)

●

طوفان سے ساحل تک سابق لیوپولڈ ویس و موجودہ محمد اسد کی وہ شہرت یافتہ کتاب جس میں انھوں نے تفصیل سے اپنے اسلام لانے کی داستان لکھی ہے۔ آدمی بے حد ذہین اور صاحبِ علم ہیں اسلئے داستان کے ذیل میں بے شمار علمی معاشرتی اور اخلاقی مسائل پر نہایت دلنشیں اور ایمان افروز گفتگو کرتے گئے ہیں۔ قیمت مجلد ــــ پانچ روپے۔

مخزنِ اخلاق ہزاروں اقوال زرّیں، بیشمار سبق آموز حکایتیں قرآن وحدیث کے انمول موتی، علم ودانش کے جواہر پارے اور نوع بہ نوع دلچسپ اور خرد افروز مضامین پر مشتمل، اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے تیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں خاص و عام ہر حلقے میں اسے پسند کیا جاتا ہے تازہ ایڈیشن مضبوط جلد حسین سہ رنگا گرد پوش کیساتھ۔ قیمت ــ بارہ روپے ۱۲/-

آپ حج کیسے کریں؟ مولانا منظور نعمانی کی معروف کتاب۔ قیمت ــ دو روپے ۲/-

التشرّف احادیث تصوف کی معرفت پر مولانا اشرف علیؒ کی معروف کتاب۔ قیمت ــ بارہ روپے۔

دینی دعوت کے قرآنی اصول مولانا محمد طیب صاحب کی ایک فکر انگیز کتاب جو دینی دعوت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتی ہے۔
قیمت مجلد ــــ تین روپے۔

تلاش راہِ حق خطوط کی زبان میں ایک روداد' مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا اشرف علیؒ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا منظور نعمانی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ میاں طفیل احمد۔ چودھری علی احمد
قیمت ــــ دو روپے ۵۰ پیسے۔

ایصالِ ثواب ایصالِ ثواب کا وہ صحیح طریقہ جو بدعتوں سے پاک ہے۔ ایک روپیہ ۱/-

تاریخ اسلام کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے صدہا برس بعد تک یہ مفصّل دلچسپ اور مستند تاریخ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کا وہ مقبول کارنامہ ہے جس نے ان کے نام کو زندہ جاوید بنادیا ہے۔ کم وبیش ایک صدی سے زیادہ کی یہ طویل داستان صرف داستان نہیں بلکہ گنجینۂ عبرت بھی ہے۔ ہم مسلمان ہوکر بھی یہ نہ جانیں کہ ہمارا ماضی کیا رہا ہے تو محرومی کی بات ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت اور اچھے کاغذ پر یہ شاندار کتاب تین جلدوں میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت مکمل مجلد ۴۵ روپے

تاریخ دعوت وعزیمت مکمل ہر سہ حصہ مولانا علی میاں ندوی کی وہ تالیف جسے تمام دنیائے اسلام میں بہت پسند کیا گیا ہے یہ ہمارے ان اسلاف کے کارناموں سے روشناس کراتی ہے جو اپنے انداز میں دین کی خدمت کا خوب خوب حق ادا کر گئے ہیں
قیمت مکمل مجلد ــــ ۲۶ روپے

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے رسالہ "الانصاف" کا اُردو پیکر۔ فقہ اور حدیث، تقلید اور اجتہاد، حنفیت اور شافعیت وغیرہ کی بحثوں میں راہِ اعتدال کی نشان دہی۔
قیمت مجلد ــــ ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔

مناجاتِ مقبول (کریمی) عکسی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب، پرانے اور نئے اضافوں کے ساتھ۔
قیمت مجلد ــــ چھ روپے۔ غیر مجلد ــــ پانچ روپے۔
غیر مجلد غیر عکسی۔ ساڑھے چار روپے ۴/۵۰

صفائی معاملات جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں مولانا اشرف علیؒ نے معاملات کی صفائی کے شرعی طور طریق بیان فرمائے ہیں۔ بڑے کام کا رسالہ ہے۔ قیمت ــــ ۳۰ پیسے۔

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

قاصی کا

یحییٰ خانؒ کی گرفتاری

قلم

یہ ۳ رمئی کا واقعہ ہے:-

تین بڑے، میز کے گرد کرسیوں پر جلوہ افروز تھے کامریڈ بشیروف۔ شیخ وطن علی اور خواجہ فانوس۔ میز اگر گول ہوتی تو ظاہر ہے یہ اجتماع گول میز کانفرنس کہلاتا۔ مگر وہ چوکور تھی اور "چوکور میز کانفرنس" آجتک کہیں نہیں ہوئی اس لئے بس تین بڑوں کی کانفرنس کہہ لیجئے چوتھا میں بھی تھا مگر میری حیثیت اِن دیوقامت شخصیتوں کے مقابلے میں بالشتیے سے زیادہ کیا ہوتی۔ بہت سے بہت ایک بٹا دو۔ اس طرح اسے ساڑھے تین بڑوں کی کانفرنس بھی کہہ سکتے ہیں۔

ویسے کانفرنس کہنا بھی ذرا تکلف ہی ہے۔ مقصدِ اجتماع تو محض چائے نوشی تھا۔ ضمناً یہ طے پایا کہ تھا کہ وقت کے اہم ترین مسئلے "بنگلہ دیش" کے موضوع پر ہفتوں سے الگ الگ جو غور و فکر ہو رہا ہے اسے تبادلۂ خیال کے انداز میں یکجا کر لیا جائے۔ کھلی بات ہے کہ اس ضمنی قرارداد میں مجھ جیسے نالائق کو شامل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہ توہین ان بڑوں کو اس لئے گوارا کرنی پڑی کہ صوفی اشراق کی کاروباری کامیابیوں کے بعض ایسے اسرار سے میں واقف ہو گیا تھا جن کا انکشاف وہ کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتے تھے صوفی اشراق خواجہ فانوس کے مرید تھے اور آج کی مٹنگ انھی کے خرچ پر انھی کی نشست گاہ میں ہو رہی تھی۔ کامریڈ اور شیخ دونوں نے میری پسِ پشت صوفی اشرق سے کہا بھی تھا کہ تم ملّا خبیث کو ہمارے ساتھ مدعو کر کے ہماری ہتک کر رہے ہو لیکن خواجہ فانوس نے اپنے سعادتمند مرید کی خاطر انھیں کسی نہ کسی طرح مطمئن کر ہی دیا تھا کہ آپ حضرات کی جلالتِ شان سے بھلا ملّا بدمعاش کی بے حیثیتی کو کیا نسبت۔ وہ تو یوں سمجھئے کہ جیسے ڈراموں میں ایک جوکر ہوتا ہے وہ بھی اسی درجے میں ہے۔

طے یہ پایا تھا کہ صوفی اشراق کے یہاں ساڑھے تینوں ارکان ٹھیک سات بجے جمع ہو جائیں گے۔

اتفاق دیکھئے کہ مجھے دیر ہوگئی۔ جس وقت پہنچا تو تینوں بڑے میری جان کو رو رہے تھے۔

"مردودُ الزماں۔ یہ تمھارے سات بجے ہیں ـــ"

کامریڈ بشیروف نے دانت کچکچا کر کہا پھر گھڑی پر نظر ڈالی "سات چالیس ہو گئے۔ تمھارا ستیاناس ہو۔"

شیخ وطن علی بھی خاموش نہیں رہے ـــــ "تم نالائق زندگی بھر غیر ذمہ دار رہو گے۔ حد ہوگئی لاابالی پن کی۔"

بھلا خواجہ فانوس کیوں پیچھے رہتے "تم جیسے آدمی کو ایسی جگہ مارنا چاہیئے جہاں پانی نہ ملے۔ خبیث کہیں کے۔"

ان کے الفاظ سخت ضرور تھے مگر لہجہ شفقت سے خالی نہیں تھا۔ انھوں نے شاید دوسروں کی نظر بچا کر آنکھ بھی ماری تھی جس کا مطلب غالباً یہ تھا کہ یار برا نہ ماننا۔ میں تو یونہی کہہ رہا ہوں۔

مگر صوفی اشرق ضبطِ نفس کر گئے۔ وہ بہرحال میزبان تھے اور میں بلا سے ایک بٹا دو سہی مگر تھا تو مہمان ہی بہرحال میں نے عرض کیا:۔

"حضور میں تو چھ ہی بجے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا مگر راستے میں حاجی تصویر مل گئے کہنے لگے کہ خبر بھی ہے بنگلہ دیش کی مکتی فوج نے یحییٰ خاں کو گرفتار کر لیا۔"

"ہائیں ہائیں" صوفی اشراق سمیت چاروں کی آنکھیں پھیل گئیں بلکہ شیخ صاحب کی تو یوں کہئیے کہ اُبل پڑیں۔

"جی ہاں۔ انھوں نے یہی کہا تھا۔ میں خوشی کے مارے غش کر گیا۔ مگر غش کرتے کرتے بھی یہ تو بہرحال پوچھ ہی بیٹھا کہ آپ کو کیسے خبر۔ کہنے لگے کہ ریڈیو کے حوالے سے مرزا دلدار صاحب نے بتایا ہے۔ میں نے سوچا غش تو پھر بھی کیا جا سکتا ہے پہلے دلدار صاحب سے تصدیق کر لوں۔"

چاروں کی نظریں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں میرے بیان کی رفتار شاید انھیں سست محسوس ہوئی وہ ملی جلی آوازوں میں بڑبڑائے ـــ "پھر۔۔۔ پھر؟"

"میں دوڑا دوڑا دلدار صاحب کے گھر گیا۔ وہ اللہ کے بندے بیت الخلاء میں تھے۔ میری آواز پر وہیں سے بولے کہ ملّا بھائی آج کل قبض چل رہا ہے تمھیں کم سے کم ایک گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ میں نے التجا کی کہ حضور آپ شوق سے دو گھنٹے قبض سے کشتی لڑتے جائیے مجھے تو بس یہ بتا دیں کہ یحییٰ خاں کے بارے میں آپ نے حاجی تصویر سے کیا کہا تھا ـــ؟"

صوفی اشراق اس وقت تینوں بڑوں کے اشارہ پر زنانخانے میں چائے لینے چلے گئے۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر ماچس جلائی تو شیخ بھڑک اٹھے "مردود یہ نوابی پھر کر لینا۔ بات تو پوری کرو۔"

میں نے جلی جلائی تیلی ہاتھ سے چھوڑ دی۔ بغیر جلا سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر انگلیوں میں دبایا۔ "دلدار صاحب نے جواب دیا کہ یحییٰ خاں کو بنگلہ دیش کے مجاہدوں نے قید کر لیا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کو کیسے خبر؟ کہنے لگے مولوی منہاج نے ٹرانسسٹر میں سنا ہے۔ میں نے کہا اچھا سلام علیکم۔ جواب میں انھوں نے وعلیکم السلام نہیں کہا بلکہ کھکار کر مجھے متنبہ کیا کہ بندہ تو بیت الخلاء میں ہے۔"

"ارے نابکار ـــ بات جلدی سے پوری کیوں نہیں کرتے ـــ" کامریڈ چیخے۔

"جی ہاں۔ مولوی منہاج سے تصدیق ضروری تھی۔ وہ اپنے گھر نہیں ملے معلوم ہوا کہ خانقاہ نقیسیہ میں مل سکیں گے بھاگم بھاگ وہاں پہنچا۔ پتہ چلا کہ مریدین کو توجہ دے رہے ہیں۔ بمشکل پندرہ منٹ بعد صوفی شمعدان کی سفارش سے اذنِ حضوری ملا۔ فرمانے لگے کہ برخوردار ٹرانسسٹر خود ہم نے نہیں سُنا بلکہ مولانا بنیاد کے صاحبزادے میاں سعادت نے سُنا ہے۔ یہ بھی انھوں نے وضاحت کی کہ جاپانی ٹرانسسٹر تھا جو صوفی انجیل کے گھر ہے۔" میں سانس لینے کے لئے پل بھر رُکا۔ تینوں ائمہ سراپا گوش بنے ہوئے تھے ـــ "آپ حضرات سوچئیے میں اس وقت کیا کرتا۔ مولانا بنیاد کے صاحبزادے کو ڈھونڈوں یا صوفی انجیل کو پکڑوں۔ جان مصیبت میں تھی۔ یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ

گھر سے کہاں جانے کے لئے نکل تھا۔"

"بس یار حاشیہ آرائی رہنے دو" شیخ جھلائے —

"انجام آخر کیا نکلا —"

"اسی کی طرف تو آ رہا ہوں - وہ تو کہئے مولانا بنیاد کے صاحبزادے راستے میں مل گئے۔ ایک ٹرانسسٹر اب بھی ان کی بغل میں تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ عزیزم کیا تم نے خود ٹرانسسٹر سنا تھا۔ کہنے لگے کہ روز سنتا ہوں مگر یہ الا نہیں تھا۔ یہ سسرا تو گھڑ گھڑ بہت کرتا ہے۔ دیسی ہے۔ صوفی انجیل صاحب کا بہت عمدہ جاپانی ہے۔ سب سے اچھی خبر دیتا ہے - میں نے کہا یہ تو سب بجا ہے مگر یحییٰ خاں کے بارے میں کیا سنا تھا۔ بولے یحییٰ خاں کی خبر تو بھائی توفیق نے سنائی تھی۔ میں نے پوچھا بھائی توفیق اس وقت کہاں ملیں گے - کہنے لگے مولوی قربان کے یہاں گئے ہوں گے ان کا سودا سلف وہی لاتے ہیں۔"

"خدا تمھیں غارت کرے" کامریڈ دہاڑے "سلسلے میں سلسلے نکالے جا رہے ہو —"

"میں نکالے جا رہا ہوں — جناب میرا تو اپنا بھرم اس سلسلہ بازی نے نکال دیا۔ جوتوں کے تلے بھی گھس گئے - خبر اتنی اہم نہ ہوتی تو میری بلا کو غرض پڑی تھی"۔

"خیر خیر — پھر کیا ہوا ؟" خواجہ فانوس نے بیچ بچاؤ کے انداز میں کہا۔

"میں نے توفیق صاحب کو ڈھونڈا۔ بڑی مشکل سے گوشت والے کی دکان پر ملے۔ یحییٰ خاں کا نام سنتے ہی خوش ہو کر بولے کہ ہاں یار وہ بیٹا تو پکڑے گئے۔ اب نکالے گی تیل اچھی طرح مکتی فوج - میں نے پوچھا آپ کو کیسے خبر۔ کہنے لگے واہ خبر کیسے نہ ہوتی اخبار میں تو چھپا ہے۔ میں نے پوچھا کونسا اخبار۔ کہنے لگے کہ مجھے نام تو معلوم نہیں - ڈاکٹر دلفگار کے سالے نے دکھلایا تھا - میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ لو اب ڈاکٹر کے سالے کو ڈھونڈو - وہ اس دوران میں گوشت سے متعلق میری معلومات میں اضافہ کرتے رہے کہ فلاں حصے کا ریشہ دار ہوتا ہے۔ فلاں کا مجرب - فلاں کا نمکین۔ تن بہ تقدیر میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر کے سالے کا نام کیا ہے۔ جواب ملا کہ نام ہے الٰہی بخش اور ٹھکانا ہے محلہ بھاڑ پیپل تلے۔ چودھری مولا بخش بلڈنگ ۔"

اتنے میں صوفی اشراق ایک جوان العمر خادمہ سمیت ناشتے کا ساز و سامان لئے اندر سے آئے۔ "سمیت" سے یہ مطلب نہ لیجئے گا کہ خادمہ بھی ناشتے ہی کا جز تھی۔ نعوذ باللہ۔ مجھے شاید یوں کہنا چاہئے تھا کہ صوفی اشراق اور ایک خادمہ ناشتے کا تام جھام لئے نشست گاہ میں آئے۔ سلسلۂ کلام مجھے روک دینا پڑا کیونکہ اتنی شاندار خادمہ برسوں میں نظر پڑی تھی۔ تینوں بڑوں کی توجہ بھی یکلخت مجھے اپنی طرف سے ہٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شیخ نے کنکھیاں استعمال کی تھیں اور کامریڈ نے پوری آنکھیں۔ خواجہ کا انداز ان دونوں کے درمیان تھا۔ ان کے لئے یہ خادمہ اجنبی نہ رہی ہو گی کیونکہ پیر ہونے کے ناطے وہ صوفی اشراق کی دعوتیں عموماً کھاتے ہی رہتے تھے۔

خادمہ کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ گئیں — اتنی بہت سی نظروں کی تاب لانا آسان تو نہ تھا۔ بچاری نے جلدی سے برتن میز پر ٹیکے اور گلے میں لٹکے ہوئے دوپٹے کا پلو دوسرے شانے پر مارا۔ پھر تیزی سے لوٹ گئی۔ مگر لوٹتے لوٹتے بھی اس کی رفتار کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ نظروں کے تیروں کی چبھن وہ پشت میں بھی محسوس کر رہی ہے۔ اس کے اوجھل ہوتے ہی توجہاتِ عالیہ کا ارتکاز پھر میری جانِ ناتواں پر ہوا۔

"ہاں تو آگے کیا ہوا - جلدی سے بتا بھی چکو"۔ یہ شیخ کے الفاظ تھے۔

"جناب میں تو اختصار سے کام لے رہا ہوں ورنہ دلدار صاحب نے تو سرقت الخلار سے قبض اور بسط کا فلسفہ بھی نشر کیا تھا۔ کل دوپہر انھوں نے سونٹھ کا مربہ کھا کر دو گلاس پانی پی لیا —"

"لعنت ہے ان پر بھی اور تم پر بھی" کامریڈ نے سلیس اُردو استعمال کی "تم یہ بتاؤ وہ اخبار دیکھا؟"

"ابھی کہاں اخبار۔ چودھری مولا بخش نے بتایا کہ برخوردار الٰہی بخش کھیت پر گئے ہوئے ہیں۔ اخبار وخبار وہی دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا جناب کیا آپ سے بھی انھوں نے یحییٰ خاں کی گرفتاری کا ذکر کیا تھا۔ خیرت سے بولے کون یحییٰ خاں۔ میں نے کہا پاکستان کے موجودہ صدر۔ کہنے لگے ہم نے تو سنا تھا میاں ایوب خاں صدر ہیں۔ میں نے آہِ سرد کھینچی تو وہ اُکتا کر بولے کہ مولوی صاحب تم کھیت پر چلے جاؤ۔ الٰہی بخش کے سوا ہمارے گھر میں کوئی سیاست نہیں جانتا۔ ہاں پانی وانی پیو تو منگوائیں۔ میں نے کہا ناچیز آج صبح سے خونِ جگر پی رہا ہے۔ پانی بھی پی لیا تو ٹھنڈا گرم مل کر نمونیہ ہو جائے گا۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ کے کھیت کو راستہ کون سا جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ ہماری گاڑی جا رہی ہے اس میں بیٹھ جانا۔ میں خوش ہو گیا کہ چلو کار نہیں تو جیپ ہو گی۔ آناً فاناً پہنچا دے گی مگر اسی وقت ان کے گھیر سے ایک بڑی سی بھینسا گاڑی نکلی جس پر کھاد لدی ہوئی تھی۔ کہنے لگے جاؤ بیٹھ جاؤ اس پر۔ گھنٹے بھر میں پہنچ جاؤ گے۔ بڑا اچھا جناور ہے۔ گھوڑے کی رفتار سے چلتا ہے۔"

"ارے یار یہ سب تفصیلات تم سے کون پوچھ رہا ہے۔" شیخ صاحب نے دانت پیستے ہوئے قطع کلام کیا۔ "ہم لوگوں کے وقت کافی قیمتی ہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے انڈوں کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا" ساتھیو ناشتہ چھیڑ دو۔ ابھی تو یہ خبیث کھیت پر جائے گا۔"

"نہیں قبلہ وکعبہ —— آپ نہیں چاہتے تو خادم بھی کھیت پر نہیں جائے گا۔" میں نے پراٹھے کا لقمہ توڑ کر حلوے کی طرف دست درازی کی "یہ ساری تفصیلات میں آپ ہی حضرات کے نفع کے لئے عرض کر رہا ہوں کسی خبر کی اہمیت اس کے پس منظر کے بغیر تو واضح نہیں ہو سکتی۔"

"میاں یہ پس منظر ہے یا داستانِ الف لیلہ۔ خلاصہ مطلب بتادو کہ اخبار میں کیا لکھا تھا۔"

"اخبار دیکھا ہو تو بتادوں —— وہ تو چودھری صاحب کی گائے چبا گئی۔"

"کیوں بکواس کرتے ہو۔" کامریڈ اونٹے۔

"بکواس میں نہیں کرتا الٰہی بخش نے یہی بتایا تھا۔ کھیت پر میں پیدل ہی پہنچا تو اس نے یہ معلومات بہم پہنچائیں کہ خبر تو بے شک اسی نے پڑھی ہے مگر اخبار پڑھ کر پلنگ پر ڈال دیا تھا۔ گائے کی ناند قریب ہی تھی وہ ہڑپ کر گئی۔"

"یہ تو تم نے پوچھا ہوگا کہ کونسا اخبار تھا؟" شیخ غرائے۔

"جی ہاں۔ روزنامہ سماچار بھنڈار۔"

"سماچار بھنڈار —— یہ کہاں سے نکلتا ہے؟" شیخ نے کاٹ کھانے کے انداز میں پوچھا۔

"خدا جانے۔ کچھ اس قسم کا نام بتارہا تھا دھروانتی سٹیلا ٹاؤن۔ صوبے کا نام بھی بتایا تھا چھماچھم پردیش یا بالم پردیش۔"

"خیر کہیں سے بھی نکلتا ہوگا —— خبر کیا تھی؟" خواجہ صاحب نے انڈے کو چائے کے ذریعہ حلق سے اُتارتے ہوئے پوچھا۔

"الٰہی بخش کے بیان کے مطابق لکھا تھا کہ معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ مغربی پاکستان میں بنگلہ دیش کے جانبازوں کی خفیہ تنظیم نے جال پھینک کر یحییٰ خان کو گرفتار کر لیا۔ تین سینیئر افسر بھی پکڑے گئے مگر پاکستانی فوج نے اس خبر کو چھپالیا ہے اور یحییٰ خان سے ملتے جلتے ایک اور افسر کو یحییٰ خاں کی حیثیت سے عوام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ مکتی فوج اپنی ٹورنگ عدالت میں اصلی یحییٰ خاں پر مقدمہ چلائے گی۔"

ناشتے کی پلیٹوں پر تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھ دفعتاً مضمحل پڑ گئے۔ میزبان سمیت چاروں نے ایک دوسرے کی طرف کچھ سوالیہ کچھ مشتبہ نظروں سے دیکھا۔ اسی وقت خواجہ فانوس

نے گردن شانوں سمیت اسطرح ہلائی گویا معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ہوں۔ کامریڈ نے جلدی سے چائے کا گھونٹ لیا پھر ناک منہ چڑھا کر بولے۔

"فضول خبر معلوم ہوتی ہے۔ مغربی پاکستان میں بنگلہ دیش کے جوان اس حد تک آگے جانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"مگر ناممکن تو نہیں ہے" شیخ جھٹ سے بولے "جب مشرقی پاکستان میں نہتے ہوکر وہ ٹینکوں اور بموں کا منہ پھیر سکتے ہیں تو کہیں بھی کچھ کر گذرنا ان کے لئے کیا مشکل ہے۔ ہمت مرداں مدد خدا۔"

"کسی اور اخبار میں تو پڑھا نہیں" کامریڈ بولے۔

"نہ کسی ریڈیو میں آئی۔"

"ہو سکتا ہے۔ خبر دینے کے بعد خیال کیا گیا ہو کہ یہ توصیغۂ راز کی چیز ہے۔" شیخ نے دلیل دی۔

"ناچیز کا بھی یہی خیال ہے۔" خواجہ بولے "اخبار نے بہرحال یہ تو لکھا ہی ہے کہ معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے۔"

"میاں معتبر ذرائع سے تو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ ٹکا خاں مارے گئے۔ ان کا لونڈا اٹینک سے باندھ کر ہلاک کر دیا گیا اور شیخ مجیب گرفتار نہیں ہوئے آزاد ہیں" کامریڈ نے چائدانی سے دوسری پیالی لوٹی۔

"تو ابھی یہی کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب خبریں غلط تھیں" شیخ نے حلیے کا چمچہ لیا "ٹکا خاں اور اسکے لونڈے کا ہمشکل آگے بڑھا دیا گیا ہوگا۔ آخر فلموں میں آپ نہیں دیکھتے۔ کیسے کیسے بہروپ چل گئے ہیں۔ ممکن ہے پلاسٹک سرجری سے کام لیا گیا ہو۔"

"اور شیخ مجیب؟ انھوں نے تو حالتِ قید میں بھوک ہڑتال کر رکھی ہے" کامریڈ کی تیوری پر ہلکے سے بل تھے۔

"ہو سکتا ہے اس کے پیچھے بھی کوئی چار سو بیس ہو۔"

ناشتہ ختم ہوا تو موضوع کچھ دیر کے لئے جامد ہو گیا۔ کیونکہ برتن سمیٹنے کے لئے صوفی اشراق نے پھر اسی خادمہ کو آواز دے لی تھی۔ میز صاف ہو گئی تو پان سگریٹ اور حقے کا دور چلا۔

"کچھ بھی ہو امریکہ اپنی شرپسندی سے اس معاملے میں بھی باز نہیں آیا۔" دفعتاً کامریڈ بولے۔ ان کی نظریں خاص طور پر شیخ وطن علی کی طرف تھیں۔ شیخ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے۔

"کیوں۔ اس نے کیا کیا؟"

"آپنے امریکی نامہ نگار ڈان کوگن کا بیان نہیں پڑھا؟"

"کونسا بیان؟"

"جس میں اس نے اپنے بنگلہ دیش کے دورے کے تأثرات پیش کئے ہیں۔"

"پڑھا تھا ــــ اس میں تو کوئی شرانگیز بات نہیں کہی گئی ــــ"

"خوب ــــ کیا اس نے یہ نہیں کہا کہ ڈھاکہ میں فوجی کارروائی کے بعد ہلاک شدگان کی تعداد کم از کم دس ہزار ہے۔"

"پھر اس میں شر کا کونسا پہلو ہوا؟"

"حد ہو گئی تجاہلِ عارفانہ کی۔ شیخ صاحب اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ ہمارے اخباروں کی وہ ساری خبریں غلط ہیں جن میں اندازہ کیا گیا ہے کہ یحییٰ خاں کی فوجوں نے دو تین لاکھ سات آٹھ لاکھ بے گناہوں کا خون بہایا۔ کہاں دس ہزار کہاں آٹھ لاکھ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امریکہ پاکستان کے جرائم کو ہلکا کر کے دکھا رہا ہے۔"

شیخ صاحب پل بھر خاموش رہے۔ شاید سوچ رہے تھے کہ جواب کیا دیں۔ وہ ایک طرف امریکہ کے معتقدین میں تھے اور دوسری طرف پکے دیش بھگت بھی۔ ایک کو سچا کہتے ہیں تو دوسرا آپسے آپ جھوٹا قرار پا جاتا ہے آخر کار بہت جلد انھوں نے ایک لاجواب حل نکال ہی لیا۔

"آپ الفاظ پر تو غور کیجئے کامریڈ ــــ امریکی نامہ نگار نے کم سے کم کا لفظ کہا ہے زیادہ سے زیادہ کا نہیں

دس ہزار کم سے کم اندازہ ہے۔ ہوسکتا ہے آٹھ لاکھ ہلاک ہوئے ہوں۔ زیادہ کے بارے میں نامہ نگار نے کوئی حد بندی نہیں کی۔"

"سبحان اللہ۔ بات تو آپ نے باریک نکالی۔" خواجہ فانوس نے شانے اور سر ہلا کر داد دی۔ لہجہ طنز کا نہیں تحسین ہی کا تھا۔ کامریڈ طیش میں آ گئے۔ کھٹاک سے بولے۔

"یہ باریک بات ہے۔ آپ بھی خواجہ صاحب جانبداری کرتے ہیں۔ امریکی نامہ نگار ہمیشہ اسی طرح کی شر انگیز باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ خود آپ کی جانبداری ہے" شیخ نے ترکی بہ ترکی فرمایا" روس ہی نے بنگلہ دیش کے سلسلے میں کونسا قابلِ تعریف پارٹ ادا کیا ہے۔ یہ تک نہیں کیا کہ پاکستان کی امداد بند کر دیتا۔"

"روس کی ڈپلومیسی عظیم ہے۔ آپ کیا سمجھ سکیں گے۔"

"اور آپ تو گویا ارسطوئے زماں ہیں۔ بس رہنے دیجئے۔"

"ہم نے سیاست کو اس کی آخری تہہ تک پڑھا ہے — آپ نے تو شاید ابجد بھی نہیں پڑھی۔"

لہجے ناخوشگوار ہو گئے تھے۔ فضا میں تناؤ نظر آ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر بات بڑھ گئی تو شام کو پکچر کا پروگرام خاک میں مل جائے گا۔ کل ہی تو یہ بات طے ہوئی تھی کہ ناشتے پر بنگلہ دیش کا موضوع سنجیدہ گفت و شنید کا کام دے گا۔ پھر اس سنجیدگی سے جو خشکی طبیعتوں میں پیدا ہو گی اسے سات سے دس والا شو دیکھ کر دور کیا جائے گا۔ لکشمی ٹاکیز میں "جانی میرا نام" چل رہی تھی۔ صوفی اشراق نے یہ اعتراض ضرور اٹھایا تھا کہ مغرب کی اذان پونے سات پر ہو رہی ہے۔ سات سے پہلے نماز سے فراغت ممکن نہیں۔ مگر ان کے مرشد خواجہ فانوس نے اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ سوا سات تک بھی ہال میں پہنچ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ دس بیس منٹ تو شروع میں الا بلا بھی دکھائی جاتی ہے۔ مجھ نالائق نے محض چھیڑنے کی خاطر سوال اٹھایا تھا کہ عشاء کی جماعت کیا ہال میں پڑھی جائیگی۔ شیخ وطن علی نے بڑے طیش میں آ کر جواب دیا تھا کہ مردودِ ازلی تمہاری سات پشتوں میں بھی کسی نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ خبردار جو تم ہمارے ساتھ گئے۔ اس پر کامریڈ بشیر رؤف بولے تھے کہ ہائے شیخ صاحب یہ آپنے کیا فرما دیا۔ ملّا سور کے بغیر تو جہنم بھی پھیکا اور جنت بھی ہم سب مل کر شو کے بعد جماعت کر لیں گے۔ شیخ صاحب نے کہا کہ میاں جماعت تو کر ہی لیں گے مگر اس کی حرام خوری تو دیکھئے۔ ایسا بن رہا ہے جیسے جُنید و شبلی کا بھی چچا ہو۔ خبیث مودودیا کہیں کا۔ خواجہ فانوس نے اس پر جلدی سے ٹوکا تھا کہ نہیں نہیں شیخ بھائی یہ تو پکا سنت و الجماعت ہے۔ مودودیت سے اس کا کیا واسطہ۔

بہر حال افہام و تفہیم کے بعد پروگرام سیٹ ہو ہی گیا تھا کہ صوفی اشراق کے خرچ پر پکچر دیکھی جائے گی۔ اب بنگلہ دیش کے چکر میں اچھے دل برے ہو گئے تو بقول شاعر زندگی ایک بھائیں بھائیں کرتے ہوئے ویرانے میں تبدیل ہو جائے گی۔

"بزرگو اور دوستو" میں نے ڈنڈوت کے انداز میں ہاتھ جوڑ کر کہا "بنگلہ دیش کے موضوع پر مناسب تبادلۂ خیال آپ اگلی دعوت میں کیجئے گا جو یہ خاکسار پیش کرنے والا ہے۔ مرغ پلاؤ۔ کباب اور شاہی ٹکڑے اور جو کچھ آپ فرمائش کریں گے مہیا کیا جائے گا۔ آج ہمیں سر جوڑ کر جانی میرا نام دیکھنی چاہئے۔ سنا ہے اس میں سیاسی زاویئے بھی اچھے خاصے پیش کئے گئے ہیں۔"

"کون گدھا کہتا ہے" خواجہ پھٹ سے بولے" وہ تو جاسوسی فلم ہے۔"

"ضرور ہو گی۔ مگر اس کی ہیروئن بھی تو دیکھئے اکدم خوبصورت۔"

"پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"جاسوسی اور حسن جب مل جائیں تو سیاست کے

سو کیا پیدا ہوگا۔ یہ نیوٹن کی تھیوری ہے۔ جی ہاں۔"

آخر کار کامریڈ اور شیخ میں مسکراہٹوں کا تبادلہ ہو ہی گیا۔ میری جان میں جان آئی اور پھر اس قرارداد پر محفل برخواست ہوئی کہ سوا سات تک سب کو لکشمی ٹاکیز پہنچ جانا چاہئیے۔ آخری فقرہ جو یہاں سنا گیا شیخ وطن علی کے یہ الفاظ تھے "انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔"

ابھی سینما ہال کی بتیاں گل نہیں ہوئی تھیں کہ شیخ نے کامریڈ سے کانا پھوسی کی۔ ان کی نظریں اگلی لائن میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی کی طرف نگراں تھیں۔

"دیکھ رہے ہیں۔ صوفی اشراق کی خادمہ سے کتنی مشابہ ہے۔"

"برابر دیکھ رہے ہیں — اگر لباس کا فرق نظر انداز کر دیا جائے تو دونوں سگی بہنیں معلوم ہونگی۔"

"سگی بہنیں کیا ایک دوسرے کا عکس کہئیے۔"

"خادم کو ایک شعر یاد آیا" میں نے دخل دیا — دونوں نے چونک کر مجھے گھورا۔ میں نے کھٹ سے شعر پڑھ دیا

میں ترا عکس ہوں کہ تو میرا
اس سوال و جواب نے مارا

شیخ جھینپ سے گئے — دانت پر دانت جما کر دبی آواز میں فرمایا" بیہودے ہو — ہم تو کامریڈ کو یہ دکھلانا چاہتے تھے کہ یحییٰ خاں کا ہم شکل کیا مشکل ہے"

"ہرگز مشکل نہیں" میں نے تائید کی" آپ باہر فوارے کے پاس جس لڑکی کو گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرما رہے تھے اس کی بھی عین مین ہم شکل میرے ماموں کے بھانج داماد کی سسرال میں موجود ہے — مگر"

"مگر کیا" شیخ نے آنکھیں نکالیں۔

"یحییٰ خاں شاید لڑکی نہیں ہے — مردوں میں ہم شکل بالکل نہیں پائے جاتے۔"

"بکواس کرتے ہو۔ خدائے جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ کی قدرت ہمہ گیر ہے۔ مردوں میں بھی وہ ہم شکل پیدا کرتا ہے۔"

"آپنے کوئی نمونہ دیکھا؟"

"کیوں نہیں دیکھا۔ فلم جوانی دیوانی میں ہیرو کا بالکل ہم شکل موجود تھا جو غنڈہ بنتا ہے۔"

"نہیں شیخ صاحب" کامریڈ بولے "وہ ڈبل رول ہے۔ پھر بھی ہم شکلی مردوں میں بھی یقیناً پائی جاتی ہے۔ ہم آپکے ہم خیال ہیں۔"

دفعتاً بتیاں گل ہوگئیں اور میں پردے پر نظریں گاڑے یہ سوچنے لگا کہ اگر سچ مچ یحییٰ خاں مکتی فوج کے ہتھے چڑھ گئے ہوں تو اللہ نے چاہا لاہور اور کراچی وغیرہ کے ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی یہی آواز ایک دن آئے گی کہ یہ بنگلہ بے تار کیندر ہے اب آپ بنگلہ زبان میں خبریں سنئیے۔ پندرہ منٹ بعد انگریزی میں پھر ہندی میں خبریں سنائی جائیں گی۔ اُردو بولنے والا بنگلہ دیش میں دوا تک کو دستیاب نہیں لہٰذا اگلی برسات تک اردو پروگرام نہیں ہوگا۔ بنگلہ دیش زندہ باد۔

ہفت روزہ **دلیر**

سوپور (کشمیر) کا ایک ممتاز جریدہ

جرأتمندی اور دینی دردمندی
اس جریدے کا طرۂ امتیاز ہے

نمونے کے لئے ذیل کے پتے پر خط لکھیں

ہفت روزہ دلیر
سوپور (کشمیر)

علم و حکمت کے موتی

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ

جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اس پر آزمائش بھی اتنی ہی کڑی ہوگی۔ رسولوں پر عام لوگوں سے بڑھ کر جہاں سنگین آزمائشیں ڈالی جاتی ہیں جن پر اللہ آزمائشیں ڈالتا ہے وہ اس کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو اس لئے آزماتا ہے کہ اس کے دوستوں کے دل اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ آزمائش ان کے نفسوں کے لئے قید ہے کہ غیر مطلوب کی جانب منعطف ہونے سے روکتی ہے۔ خواہشات اور چاہتوں کے راستے میں دیوار ہے۔ اس سے برے ارادے اور غلط جذبات فنا ہو جاتے ہیں اور تمام رغبتوں اور لذّات کا میلان آخرت اور انجام کی طرف مڑ جاتا ہے۔

آزمائش دل اور یقین کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے۔ ایمان اور صبر کو غیر متزلزل کر دیتی ہے۔ خواہشات کو بےجان کر دیتی ہے۔ جب مومن خدا کی جانب سے آئی ہوئی مشکلات پر استقامت دکھاتا ہے اور قضائے الٰہی پر سرِ تسلیم جھکا لیتا ہے تو خدائے کریم کو اس کا یہ کردار بہت بھاتا ہے وہ اس کو اپنی رحمتوں اور انعامات سے نوازتا ہے اور اپنی نصرت اور تائید کرتا ہے۔ اسے نیک عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

اس کے برعکس جب نفس کا خواہشاتِ سفلی کی تکمیل پر اصرار بڑھتا ہے اور دل خدا کے احکام کے خلاف نفس کے سامنے جھک جاتا ہے اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور خدا کے غیر کو اپنی حاجات کا مرکز بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نفس اور قلب دونوں کو دنیا کی لذّتوں میں غرق کر دیتا ہے۔ مخلوق انسانوں پر مسلّط ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے رنج و تعب کی یلغار ہوتی ہے دل طمانیت اور سرور سے یکسر خالی ہو جاتا ہے۔

شرک سے بہت پرہیز کرو۔ اس کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ شب کی سیاہی اور دن کے اُجالے میں خدا سے ڈرو۔ ہر وقت دل اور جسم کے ظاہری اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہوں سے خائف اور دُور رہو۔ خدا سے بھاگ کر

تم کہیں نہ جا سکو گے۔ وہ تمھیں ہر جگہ پالے گا۔ خدا کی تقدیر سے نہ لڑو ورنہ پاش پاش ہو جاؤ گے۔ خدا کے احکام میں کسی قسم کے شک اور گمان کو دخل نہ دو۔ ورنہ ذلیل وخوار کر دیئے جاؤ گے۔ خدا کی یاد سے غافل نہ رہو، ورنہ بھلا دیئے جاؤ گے۔ خدا کے دین میں اپنی خواہشات کو داخل نہ کرو ورنہ ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور تمھارا دل نورِ ہدایت سے محروم ہو جائے گا اور تم پر شیطان النفس خواہشات، اہل وعیال، پڑوسیوں اور ساری مخلوق کو مسلط کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا کے بچھو، سانپ اور اذیت رساں جانور بھی تمھارے دشمن ہو جائیں گے اور آخرت میں طویل عذاب کے مستحق ٹھیرو گے۔

اے تہی دست اور تہی دامن انسان!

اے وہ کہ جس سے دنیا اور "خداوندانِ دنیا" خفا ہیں!

اے گمنام! اے بھوک کے پیاسے! اے تشنہ جگر اور برہنہ تن!

اے زمین کے کھوہوں، غاروں اور مسجدوں میں کھردری زمین پر پراگندہ پڑے ہوئے شخص!

اے ہر دروازے سے دھتکارے اور ہر چوکھٹ سے نکالے ہوئے انسان!

اے ٹوٹے ہوئے دل والے اور دل کی باتوں کو دل ہی دل میں رکھنے والے!

کسی لمحے بھی منھ سے یہ بات نہ نکال کہ اللہ نے مجھے محتاج کر دیا اور مجھ سے دنیا چھین لی اور مجھے تنگ دست کر دیا۔ مجھے تنہا چھوڑ دیا اور مجھے گمنام کر دیا اور لوگوں میں میرا تذکرہ عام نہ ہوا، اور اس نے دوسروں کو شہرت، عزت اور بادشاہت دی۔

تو مردِ حُر ہے، تجھے تو دولت فقر عطا ہوئی ہے جس کا مزاج ہی محرومی ہے۔ تو خدا کی قضا پر راضی ہے اس کے ہر فعل پر خوش ہے اور اس کی صفات اور قدرتوں سے آگہی رکھتا ہے۔

قرآن مترجم مع تفسیر

چھپائی عکسی رنگین۔ لکھائی روشن اعلیٰ۔

کاغذ عمدہ سفید

تفسیر:۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ترجمہ:۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

ایک ہی جلد میں مکمل ہونے والی تفسیروں میں اس تفسیر کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے ستاروں میں چاند۔ علامہ عثمانیؒ نے ضخیم تفسیروں کا خلاصہ اور نفیس بحثوں کا نچوڑ ایسے سلیس و بلیغ انداز میں پیش فرمایا ہے کہ مطالب قرآنی ذہن و قلب میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی زبان بھی بڑی دلکش ہے اور جدید و قدیم دونوں ہی کا لحاظ ان کے اندازِ بیان میں موجود ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے خاصے کی چیز ہے

قسم اوّل:۔ مجلّد ریگزین ۲۹ روپے
مجلّد ہاف چرمی ۳۰ روپے پچاس پیسے
مجلّد سالم چرمی ۳۲ روپے۔

قسم دوم:۔ مجلّد ریگزین ۲۴ روپے
مجلّد ہاف چرمی ۲۵ روپے پچاس پیسے۔
مجلّد سالم چرمی ۲۷ روپے۔

(قسم اول و دوم میں صرف کاغذ کا فرق ہے)

تاجر حضرات خط لکھ کر معاملات طے کریں

نمونہ بھی پیش خدمت کیا جائے گا

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

ملّا ابن العرب مکّی

مسجد سے میخانے تک

جہاں میں بطورِ مہمان ٹھیرا ہوا تھا وہاں پہلی ڈاک صبح دس اور گیارہ کے درمیان آتی تھی۔ مجھے چند ضروری خطوط کا انتظار تھا۔ سوچا کہ ڈاکیہ آجائے تبھی فردوس منزل چلوں گا۔

ڈاکیہ گیارہ پر آیا اور دو لفافے میرے حوالے کئے اب یا تو میں یہیں بیٹھ کر ان کے پڑھنے پر مزید وقت برباد کرتا یا پھر راستے میں پڑھتا تاکہ فردوس منزل پہنچنے میں اور تاخیر نہ ہو۔ آپ کو یاد ہی ہوگا کہ نعیمہ نے ٹھیک گیارہ بجے پہنچ جانے کی فرمائش بلکہ فہمائش کی تھی اور نعیمہ جیسی لڑکیوں کی فہمائش سے لاپروائی برتنا کبیرہ نہیں تو صغیرہ گناہ ضرور کہلائے گا۔

چاہا کہ ٹیکسی مل جائے مگر پندرہ منٹ لاحاصل جدّ و جہد میں ضائع کرنے کے بعد رکشا پر قناعت کرنی پڑی۔ بہرحال کسی بے فکرے نواب کی طرح رکشا کے پشتے سے ٹیک لگا کر میں نے جیب سے ایک لفافہ نکالا۔ پتے کا اندازِ تحریر اجنبی نہیں تھا۔ یاد آگیا کہ یہ اپنے حاجی چار یار کے خامۂ زر نگار کی تراوش ہوگی۔ حاجی چار یار ایک مخصوص طرزِ نگارش کے مالک تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نظم کی طرح نثر میں بھی قافیے کی رعایت آج بھی اتنا ہی حُسن رکھتی ہے جتنا کل رکھتی تھی۔ لفافہ کھول کر خط نکالا۔ پہلی ہی نظر میں طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ سبحان اللہ خط کی پیشانی پر چھپے ہوئے رنگین حرفوں میں یہ عبارت جلوہ طراز تھی:۔

"خانقاہ سمنونیہ آفتابیہ قادریہ روحانیہ"

اس کے نیچے نسبتاً باریک خط میں طبع تھا:۔

"سیدالاخیار، رئیس الاحرار، قاطع الاشرار جنت مدار حاجی چار یار چشتی ثم نقشبندی ثم قادری دام برکاتہٗ"

خط میں لکھا تھا:۔

ملّا ناہنجار بلکہ نابکار! تم پر خدا کی مار بلکہ فرشتوں اور جنوں کی پھٹکار ایک بار نہیں ہزار بار!

تم نے برملا وعدہ کیا تھا کہ امسال کلیر شریف کے عرس میں ہمارے ساتھ چلو گے مگر اب تم وہاں جاکر مر گئے ہو۔ گویا وطن سے بالکل کوچ کر گئے ہو۔ صوفی زبرجد نے آگاہی دی تھی کہ چند روز میں لوٹ آوگے مگر اب چند کے دو چند بلکہ سہ چند ایام بادِ تند کی طرح گزرے چلے جارہے ہیں مگر تمھاری مطلق خیر خبر نہیں۔ افسوس کہ اپنے دعدے پر تمھاری نظر نہیں۔ انسانیت اور اخلاق کا ذرا بھی تم پر اثر نہیں۔

دیکھو جانِ من تاریخیں قریب آگئی ہیں۔ اڑوس پڑوس ہر طرف تیاریوں کی گھما گھمی ہے اہلِ دل کی ہماہمی ہے۔ ہم نے بھی چھولداری اور قناتوں وغیرہ کا انتظام کرلیا ہے پورا پورا انصرام کرلیا ہے۔ اب کی مرزا فرقت اور شاہ گلفام بھی ہمراہ چل رہے ہیں گویا پیر بھائیوں میں شوق کے چشمے اُبل رہے ہیں لیکن خدا کی قسم تم مردود سراپا نمرود اگر غائب غلّہ رہے تو سارا لطف غارت ہو جائے گا اور جملہ ذوق و شوق اکارت ہو جائے گا۔

اے پیارے برخوردار بلکہ پیارے سے بھی بڑھ کر جانِ بہار۔ نورِ نظر لختِ جگر۔ بخدا مردود وغیرہ کا برا نہ ماننا پیار میں غصّہ آتا ہی ہے۔ دیکھو تمھیں ہمارے سر کی قسم اپنی بیوی کی قسم پاک پروردگار کی قسم اسی ہفتے میں لوٹ آؤ ہم نے تمھارے ہی بھروسے پر یاروں سے قول ہار دیا ہے کہ اس سال زرینہ بانو کے مجروں میں میرِ مجلس ہم ہی رہیں گے۔ دیکھو یار بلکہ دلدار! اشکرم خبیث تو تمھارا بھی دشمن ہے۔ وہ پچھلے سال کی طرح اب کی بھی بالا مار لے گیا تو ہمارے ساتھ تمھاری بھی سبکی بے حد و حساب ہوگی اور تمھاری زندگی خانہ خراب ہوگی بلکہ سراسر

نمونۂ عذاب ہوگی۔ سمجھ گئے نا۔

اور ہاں۔ ہمارے ایک پیر بھائی نے اطلاع دی ہے کہ اب کی آگرے والی سلطانہ پروین بھی آرہی ہے۔ خدا کی قسم غضب ہے غضب۔ دیکھو گے تو اندر کا سانس اندر اور باہر کا باہر۔ ارے میاں ٹھمری میں مالکوس کا جوڑ لگاتی ہے۔ آواز بلا کی اور انداز بلا کے۔ گھنگرو چھنکانا تو کوئی اس سے سیکھے۔ بس حاصل کلام یہ سمجھ لو کہ ڈھلی ڈھلائی قیامت ہے مگر یار ہے بڑی دماغ دار۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ کبھی جیسا کوئی عیار مکار ذرا باریک کھیل کھیل جائے تو کھیل جائے ورنہ کس کی مجال ہے کہ ظالم کے سائے کو بھی ہاتھ لگا پائے۔ اب کی تمہارے کمال کا امتحان ہے۔ علم دریاؤ آزمانا پڑے گا۔ سُن تمہارا خرچہ ہمارا۔ ہم چار اہل دل نے پان پان سو روپے اکٹھے کئے ہیں کعبے کی قسم تم آجاؤ تو خزانچی بھی تم کو بنائیں گے۔ شاہ گلفام تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ اگر سلطانہ پروین آگئی اور ملّا نے اسے شیشے میں اُتار لیا تو ہم مزید پانسو اور خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ اپنا بھی ایسا ہی ارادہ سمجھو بلکہ پکّا وعدہ سمجھو۔ اے فرزند ارجمند بلکہ دلبند جگر بند ملّا عزیز تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔ ہر حال میں منظور تمہاری خاطر ہے۔ کتنا پیار آتا ہے تم پر۔ امید ہے کہ تم خط کو تار سمجھو گے اور فوراً اپنے بھولے بھالے پیارے پیارے اچھے اچھے روئے زیبا کو اپنے چاہنے والوں کے سامنے لاکر دلوں کی پیاس بجھاؤ گے روحوں کے غنچے کھلاؤ گے۔

اور اگر خدا نہ کردہ تم نے دیر کی۔ آنے میں ہیر پھیر کی تو قسم وحدۂ لاشریک کی تمہارے پیچھے ایسے غنڈے لگائے جائیں گے کہ تمہیں ٹرکا خان بنا دیں گے یعنی تمہاری تکّا بوٹی کر ڈالیں گے اور تمہاری لاش چیل کوؤں کو کھلائی جائے گی۔ خبیث کہیں کے۔

تمہارا بالکل اپنا حاجی چار یار چشتی ثم نقشبندی ثم قادری

یہ خط پڑھ کر میرے رویں رویں میں زندگی جاگ اٹھی۔ ایسا جی چاہا کہ ہوا میں اُڑوں اور ہیلی کوپٹر کی طرح حاجی صاحب کے عین صحن میں جا اُتروں۔ واقعی گذشتہ سال زرینہ بانو کے ڈیرے میں حاجی صاحب کی بڑی کرکری ہوئی تھی۔ انھوں نے لاکھ چاہا تھا کہ بانو کے پَیر ہی چھونے کو مل جائیں مگر خواجہ شکرم نے دال نہیں گلنے دی تھی۔ ان کے پاس نوٹ حاجی صاحب سے زیادہ تھے اور دُوتن دمنا مرید بھی ان کے آزو بازو دیوار بن کر حاجی صاحب کی راہ حائل ہوگئے تھے۔ میں غیر جانب دار اس لئے رہا تھا کہ حاجی صاحب نے مجھے نظر انداز کرنا چاہا تھا۔

دفعتاً ایک ٹرک کے سماعت شگاف ہارن پر کشادہ ڈھنگے پن سے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی تو میں بھی خواب و خیال کی دنیا سے اُچھل کر باہر آیا۔ مشکل سے ایک انچ کی کسر رہ گئی ہوگی ورنہ ہوگیا تھا بیڑا پار۔

خیر میں نے حاجی صاحب کا خط جیب میں رکھا اور دوسرا لفافہ برآمد کیا۔ اس پر پتہ انگریزی میں ٹائپ تھا۔ اندر سے خط بھی اسی نوع کا نکلا۔ مختصر سی عبارت تھی :—

مسٹر ملّا!

تم خواہ مخواہ دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑا بیٹھے ہو۔ بھلا تمہیں اعجاز فیملی کے بھلے برے سے کیا سروکار۔ خیریت اسی میں ہے کہ مقدمہ کی تاریخ سے پہلے اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ گواہی دینے کی حماقت کی تو زندہ نہیں چھوڑے جاؤ گے۔

تمہارا ایک ہمدرد

میرے لئے اس تحریر کا مطلب واضح تھا مگر ناظرین باتمکین کچھ نہ سمجھے ہوں گے لہٰذا وہ بھی خلاصہ مطلب سمجھ لیں:۔

دراصل چند مہینے پہلے کی بات ہے میں بطور مہمان یہیں قیام پذیر تھا جہاں اب ٹھیرا ہوا ہوں۔ یہ میرے ایک دوست ہیں احمد حسن۔ واقعہ ایک دن یہ پیش آیا کہ احمد حسن صاحب کے پڑوس میں جو اعجاز علی رہتے ہیں ان پر چار آدمی چڑھ آئے۔ وہ ان کے کچھ رشتہ دار ہی تھے

جھگڑا باپ دادا کی کسی زمین سے متعلق تھا۔ انھوں نے نہ صرف اعجاز علی کو بلکہ ان کے سالے طفیل کو بھی اچھا خاصا مارا۔ ساتھ ہی گھر میں آگ لگانے کی کوشش بھی کی۔ میں اور احمد حسن یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں نے حملہ آوروں کا تھوڑا سا مقابلہ ضرور کیا تھا مگر وہ تھوڑی سی مار پیٹ کر کے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اعجاز علی اور ان کا سالہ خاصے مجروح ہوئے۔ آخر کار ہنگامہ فرو ہوا تو احمد حسن اپنے ایک دوست واجد حسین کو بلا لائے۔ یہ علاقے کے تھانے میں انسپکٹر ہیں۔ بڑی سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں، ذہین اور جری۔

سب سے پہلے مجروحین کی ڈاکٹری رپورٹ حاصل کی گئی۔ پھر ڈی ایس پی کے مخصوص تعاون سے ایس پی صاحب کے نام درخواست گذرانی گئی جس میں سارا واقعہ نمک مرچ لگا کر میری اور احمد حسن کی چشم دید گواہی کے ساتھ لکھا گیا۔ کیس ویسے بھی سیریس تھا پھر انسپکٹر واجد اور ڈی ایس پی کے دوستانہ تعلقات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ چاروں حملہ آور اگلے ہی دن دھر لئے گئے۔

یہ ظاہر ہے کہ میں حملہ آوروں میں سے کسی کا نام تک نہ جانتا تھا لیکن اس کسر کو اعجاز صاحب نے پورا کرا دیا۔ خبر نہیں کب ان کی ضمانت ہوئی ہوگی، میں تو بہر حال چند روز بعد وطن لوٹ آیا تھا۔ لیکن لوٹتے وقت انسپکٹر صاحب سے یہ وعدہ بہر حال کرنا پڑا تھا کہ مقدمے کی تاریخ پر لازماً حاضر ہو جاؤں گا۔

چند ماہ بعد احمد حسن کا خط ملا کہ فوراً پہنچو مقدمہ شروع ہو گیا ہے۔ میں تامل کیسے کر سکتا تھا۔ پہلی گاڑی سے پہنچا اور اب میں جو یہاں پایا جا رہا ہوں اسی مقدمے کا چکر ہے۔ احمد حسن نے بتایا کہ تاریخ میں تو ابھی دس دن کی دیر ہے لیکن انسپکٹر واجد کے کہنے پر تمھیں کچھ پہلے بلا لیا گیا ہے تاکہ ملزمین کی شناخت کے سلسلے میں ذرا اور اطمینان کر لیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ تم انھیں شناخت کی کارروائی میں پہچان نہ سکو، یا پہچانو تو نام غلط کر جاؤ۔ میں نے کہا مائی ڈیر احمد! تم نے غضب ڈھا دیا۔ میں جانے کتنے ضروری کام چھوڑ کر بھاگا آیا ہوں۔ تاریخ سے ایک دو دن پہلے بلا لیتے۔ جہاں تک یادداشت کا تعلق ہے مجھے آج تک یہ بھی یاد ہے کہ پیدائش کے کتنے روز بعد مجھے ڈبے کا دودھ ملا تھا اور عقیقے میں کس رنگ کے بکرے کاٹے گئے تھے۔

وہ ہنس دیئے اور فرمانے لگے کہ ذرا سنجیدہ بن جاؤ یہ معاملہ بڑا کڑا ہے ملزمین کو لازماً سزا کٹوانی ہے۔ دس بارہ دن ہمارے ہی پاس ٹھیر جاؤ گے تو کونسی قیامت آ جائیگی۔

میں نے کہا تھا حضور قیامت کی تو پروا نہیں مگر عرس کلیر کا سارا پروگرام تباہ ہو جائے گا۔ کئی اہل اللہ مجھے خادمِ خصوصی کی حیثیت سے ہمرکاب لے جانے پر مصر ہیں۔

وہ بولے تھے تم تو مودودی ہو پھر یہ عرس وغیرہ کا کیا چکر ؟

میں نے جواب دیا تھا کہ سرکار میری مودودیت بے لچک نہیں لچکدار ہے۔ میں مناسب موقعوں پر اہلِ طریقت کے نقطۂ نگاہ کا بھی عملی احترام کر لیتا ہوں۔ ذرا سوچیئے زندگی بالکل ہی سپاٹ ہو کر رہ جائے تو خواہ مخواہ جینے سے کیا فائدہ۔

انھوں نے کہا تھا یہ نکتے بھی سمجھیں گے ہم تو بس تاریخ مقدمہ تک تمھیں یہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔

پھر انسپکٹر واجد بھی آ گئے تھے اور اچھی خاصی بے تکلفی کے ماحول میں فرمایا تھا کہ ملا صاحب۔ اب تو دل سے دل مل گئے ہیں۔ ہم نے ڈی ایس پی سے بھی تمھاری تعریف کی تھی۔ وہ ملنے کے مشتاق ہیں۔ دو دن بعد پلازا تھیٹر میں ڈنس کا بھی پروگرام ہے۔ بڑی شاندار پارٹی آئی ہوتی ہے پھر منڈورا نائٹ کلب کی بھی تفریح کرائیں گے۔ بڑا اپ ٹو ڈیٹ کلب ہے۔

جھک مار کر مجھے ٹھیرنا ہی پڑا تھا اور مقدمہ کی تاریخ میں ابھی کئی دن باقی تھے۔

یہ خط جس کی وضاحت میں داستانِ امیر حمزہ سنانی پڑی ظاہر ہے ملزمین ہی کی طرف سے بھیجا گیا ہوگا۔ ملزمین

اور پولیس دونوں کو معلوم تھا کہ بنیادی گواہوں میں سے ایک بھی ٹوٹ گیا تو کیس بے جان ہو جائے گا۔

میں یہ خط لیکر پہلی فرصت میں انسپکٹر واجد کے پاس پہنچا۔ مگر فی الحال تو فردوس منزل کی دعوت کھانی تھی۔ دعوت سے بھی زیادہ نعیمہ سے باتیں ملانے کا شوق دل میں گدگدا رہا تھا۔ بتا چکا ہوں کہ وہ زیادہ حسین نہیں تھی پھر "میک اپ دشمنی" نے تو اسے اور بھی ناقابل التفات بنا دیا تھا۔ لیکن اس کی یہی میک اپ دشمنی میرے لئے نہ جانے کیوں غیر معمولی کشش کا باعث بن گئی تھی اور کل کی باتیں اس طرح کانوں میں گونج رہی تھیں جیسے وہ سامنے کھڑی برابر بولے جا رہی ہو۔

کیا ڈاکٹر اقبالؒ نے سچ ہی کہا تھا:۔

ہائے بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

مگر عورت تو در اصل لیڈی فردوس تھی۔ بیٹی سے زیادہ جاذب نظر۔ پھر سوار ہوتی تو وہ ہوتی۔ کتنا سڈول بدن۔ کیسی نکھری ہوئی رنگت۔ مگر میرا وجدان نہ جانے کیوں اس کے خیال ہی سے لاحول ولا قوۃ کی گردان پر تلا ہوا تھا۔

بہرحال ساڑھے گیارہ بجے میں نے فردوس منزل میں قدم رکھا۔ کیاریوں کے پاس نعیمہ کھرپا لئے زمین کھود رہی تھی۔ مالی قریب کھڑا تھا۔ میں نزدیک پہنچا تو اس نے گوشۂ چشم سے میری طرف دیکھا پھر کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال کر بولی:۔

"پورے نصف گھنٹے لیٹ۔ تم نے ممی کے آگے مجھے ذلیل کرا دیا۔"

"ہائیں کس قسم کی ذلت؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ان سے کہا تھا کہ تم گیارہ سے پانچ منٹ پہلے ہی آجاؤ گے"

"اوہو ـــــ یہ اندازہ تم نے کس بنا پر قائم کر لیا تھا؟"

"حماقت ـــــ بس میں نے سمجھا تھا کہ تم شریف آدمی ہو ـــــ"

"پھر تو اب تمھیں اپنے خیال کی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا ـــ"

"ہرگز نہیں۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ تم میں شرافت پائی جاتی ہے مگر میں بدلہ ضرور لوں گی"

"پھانسی پر چڑھا دینا مگر اب یہاں سے تو اٹھو"

"کس خوشی میں۔ میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ تم برآمدے میں بیٹھو۔"

"برآمدے میں کیوں ـــ میں اندر تمھاری ممی سے مل لوں گا"

"وہ گھر میں نہیں ہیں"

"جھوٹ بولتی ہو"

"ہوش میں بھی ہو۔ میں کیوں جھوٹ بولوں گی"

یہ کہہ کر وہ اس طرح کام میں لگ گئی جیسے میری موجودگی کی مطلق پروا نہ رہی ہو۔

"اے میاں مالی تمھیں شرم نہیں آتی مالکن کام کر رہی ہے اور تم منھ تک رہے ہو" میں نے مالی کو گھورا اس نے دانت نکال دیئے۔

"صاحب بی بی جی کا جیسا حکم"

"سنا نہیں میں کہہ رہی ہوں برآمدے میں جا کر بیٹھئے۔" نعیمہ نے رخ موڑے بغیر کہا۔

"خواجہ صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ بھی گھر میں نہیں ہیں۔ کھانا بارہ سے پہلے نہیں ملے گا۔ تمھیں کسی کے ہونے نہ ہونے سے مطلب"

"اللہ کی بندی۔ میں بھی یہیں لان پر بیٹھا جاتا ہوں۔ وہاں برآمدے میں کیا مکھیاں ماروں گا"

"کہیں بھی بیٹھو۔ نصف گھنٹہ تمھیں انتظار میں بور ہونا پڑے گا۔ میں بھی بور ہوئی ہوں"

"اوہ۔ تو اتنا نقد انتقام۔ چلو تم اپنا کام کئے جاؤ۔ میں یہیں بیٹھ کر بور ہو لوں گا"

وہ جواب دیئے بغیر اپنے کام میں منہمک رہی۔ میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ ایسی چٹاخ پٹاخ

لڑکی زندگی بھر نہیں ملی۔ مگر کتنا بھولا پن اور بے ساختگی تھی اس کی ہر ہر ادا میں۔ تصنع کا نام نہیں۔ اپنے سے لاپروا۔ اس کی قمیص کے دامن پر اچھی خاصی مٹی نظر آرہی تھی۔

اسی وقت ایک موٹر سائیکل شور مچاتی ہوئی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور ٹھیک اس وقت جب سوار نے ہمارے قریب ہی آکر اس کا انجن بند کیا نعیمہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

"ستیاناس"

سوار ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ براؤن سوٹ پر زرد ٹائی۔ بدن فربہی مائل۔ قد پستہ۔

"ارے آپ اس وقت بھی یہ کام کر رہی ہیں"

اس نے نعیمہ کے عین سر پر پہنچ کر ٹوکا۔ آواز پھٹے ہوئے بانس کی مانند دلخراش تھی۔

نعیمہ جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ کھرپا دور پھینکا۔ پھینکنے کا انداز شدید جھلاہٹ لئے ہوئے تھا۔

"میں ہر وقت ہر کام کر سکتی ہوں۔ چلئے آپ آگئے تو میں نے بھی کام چھوڑ دیا ــــ ریحان صاحب ان سے ملئے میری ممی کے بھانجے منور حسین۔ اور آپ ریحان الحق خواجہ چچا کے دوست۔"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر" اس نے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ چہرے سے ہونق پن ہویدا تھا۔ میری سسکی نکلی کیونکہ مصافحے کے دوران اس کی دو انگوٹھیوں نے میری مزاج پرسی کی تھی۔

"تمیز سے منور بھائی" نعیمہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا شائد اس نے میری افتاد محسوس کر لی تھی۔

"میں نہیں سمجھا آپ کا مطلب" وہ کھسیانی سی ہنسی ہنستا ہوا مڑا۔

"جناب کی یہ انگوٹھیاں پہلے بھی ایک صاحب کے چُبھ چکی ہیں۔"

اُفوہ ــــ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ لیجئے آپ کو ناگوار ہے تو ابھی اُتارے دیتا ہوں۔" وہ کھٹا پٹ انگوٹھیاں اُتارنے لگا۔

"نہیں مجھے ان سے کیا دلچسپی ــــ آپ مصافحہ کرتے ہوئے ذرا احتیاط برتا کیجئے۔ بس"

"جیسا حکم ہو۔ دراصل یہ اصلی ہیروں کی ہیں۔ میں ذرا اونچی سوسائٹی میں راستہ بنا رہا ہوں"

"بیٹھے رہئے جناب" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مشورہ دیا۔ "آپ کی مخروطی انگلیوں میں یہ بے حد حسین معلوم ہو رہی ہیں۔"

"دیکھئے منور بھائی۔ آپ حکم لیا کیجئے اپنے ڈیڈی ممی سے۔ میں ایسے تکلفات پسند نہیں کرتی۔"

"آپ تو ناراض ہو گئیں۔ میرا مطلب تھا کہ جو کچھ آپ کو ناپسند ہو مجھے بھی ناپسند ہے۔ آزما کر دیکھ لیجئے۔"

"نان سینس۔ مجھے آزمانے سے کیا دلچسپی۔ ڈھنگ کی بات کیا کیجئے۔" نعیمہ کے چہرے پر اُکتاہٹ صاف بڑھتی جا رہی تھی۔

"چلئے خیر۔ یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔ اندر چلیں" منور بولا۔

"اب تو چلنا ہی پڑے گا ــــ آئیے" نعیمہ نے برا سا منھ بنایا۔

تھوڑی دیر بعد ہم کمرے میں بیٹھے لیڈی فردوس کا انتظار کر رہے تھے۔ ممکن ہے خواجہ بھی انھی کے ساتھ ہوں۔

"آپ شائد گانا بھی اچھا گا لیتے ہوں گے" میں نے منور سے کہا۔

"نہیں تو ــــ یہ آپ نے کیسے کہا؟"

"آپ کی آواز میں کچھ اسی طرح کا لوچ محسوس ہوا تھا۔"

"ہی... ہی ــ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ مجھے گانا نہیں آتا بس کبھی شعر پڑھ لیتا ہوں"

"کسر نفسی کر رہے ہیں ــ آپ کے آنے سے قبل مس نعیمہ آپ ہی کا ذکر کر رہی تھیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ آپ شعر بھی اچھا کہتے ہیں اور پڑھتے بھی اچھا ہیں۔"

"کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہو۔" نعیمہ منمنائی مگر ہونٹوں پر تبسم ہی تھا۔ جھلاہٹ نہیں تھی۔

"ارے تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔" میں نے ڈھٹائی سے کہا "تم نے تعریف ہی تو کی تھی گالی تو نہیں دی تھی۔"

منور کا چہرہ یکلخت گوبھی کے پھول کی طرح کھل گیا ہلکی سی ہکلاہٹ کے ساتھ کہنے لگا:۔

"اگر یہ کہہ رہی تھیں تو میں جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کبھی کبھار ہلکے پھلکے شعر کہہ لیتا ہوں۔ کئی دفعہ مشاعروں میں بھی پڑھا ہے۔"

"سبحان اللہ بلکہ جزاک اللہ شعر ہلکے پھلکے ہی کہنے چاہئیں۔ غلائی دور میں بھلا بھاری بھرکم شعر کون پسند کرے گا۔ چلئے ایک دو ہو جائیں۔"

"ابھی۔ نہیں نہیں —— پھر کبھی۔" وہ گھبرا سے گئے۔

"ارے جناب پھر کس نے دیکھی ہے۔ ہم تو اُڑتے پنچھی ہیں آج یہاں کل وہاں۔"

"چلئے سنا ڈالیئے۔" نعیمہ بولی۔ وہ بھی شاید تفریح کے موڈ میں آ گئی تھی۔

"جی —— آپ کہتی ہیں تو ....." منور زور سے کھکارا۔ ظاہر ہے شاعر لوگ کھکار ہی سے اسٹارٹ لیتے ہیں۔ مگر اس کے چہرے پر شعریت کے بجائے مظلومیت برس رہی تھی۔

"اجازت ہے؟" اس نے گھگیائے ہوئے لہجے میں نعیمہ سے اذن مزید طلب کیا۔

"ہاں ہاں بھئی سنائیے نا ——" نعیمہ نے بھی حوصلہ افزائی کی۔

کئی ثانیئے تک منور کے چہرے پر مختلف رنگ آتے جاتے رہے۔ ہونٹوں پر جھینپے ہوئے سے تبسم کی لہر تھی۔ آخر کار ایک دو کروٹیں سی بدل کر وہ بولا:۔

"دیکھئے۔ ایک مشاعرے میں طرح ہوئی تھی۔ دل دے کے جانِ من کو چلے جا رہے ہیں ہم۔"

اس کی نظریں میری طرف تھیں مگر کنکھیوں سے نعیمہ کو بھی دیکھا تھا۔

"سبحان اللہ" میں اُچھل پڑا "دل دے کے جانِ من کو —— واللہ کیا مصرعہ ہے۔"

"کیا مزاحیہ مشاعرہ تھا؟" نعیمہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ مزاحیہ کیوں ہوتا۔ چمن گورداسپوری اور گم سہسوانی جیسے شعراء تشریف لائے تھے۔ بلکہ لیلیٰ تسنیم اور سنبل توفیق صاحبہ بھی آئی تھیں۔"

"پھر تو آل انڈیا نوعیت کا رہا ہوگا۔" میں نے سر ہلا کر اہمیت کا اظہار کیا "بڑی عجیب بات ہے۔ ہمارے یہاں بھی پچھلے سال اسی زمین کا مصرعہ طرح ہوا تھا۔ بڑا شاندار مشاعرہ رہا۔ چوکس جھنجانوی نے تو کرسیاں تڑوا دی تھیں۔"

"خوب۔ تو کیا جناب بھی شعر کہتے ہیں۔" منور نے پوچھا۔

"سال میں ایک غزل —— کم سے کم اس طرح پر تو کہی ہی پڑی تھی۔ مصرعہ طرح تھا۔ پیٹا گیا رقیب تو تھرا رہے ہیں ہم۔"

"واہ واہ —— بات نفسیاتی نکالی ہے۔" منور چہکا لہجے میں بڑا اخلاص تھا۔ نعیمہ کے سختی سے بھنچے ہوئے ہونٹ اور زیادہ بھنچ گئے۔ مگر تبسم پھر بھی نہ دبا۔

"جی ہاں —— خیر آپ غزل سنائیے۔ گرہ تو ضرور لگائی ہوگی ——" میں بولا۔

"پہلے گرہ ہی سن لیجئے۔ بڑی داد ملی تھی۔"

یہ کہہ کر وہ حلق ہی حلق میں گنگنائے پھر باقاعدہ ترنم سے شروع ہو گئے:۔

وہ توڑ دیں کہ پھینک دیں جو چاہے وہ کریں
دل دے کے جانِ من کو چلے جا رہے ہیں ہم

"غضب ہے منور صاحب۔ غضب ہے۔ آپ نے مصرعہ لوٹ لیا۔ جو چاہے وہ کریں کے ٹکڑے کا جواب نہیں ہے۔"

"بندہ نوازی ہے آپ کی —— دیکھئے مطلع عرض کیا تھا:۔

آہوں سے ان کے سینے کو برما رہے ہیں ہم
افسوس کس غضب کا ستم ڈھا رہے ہیں ہم

"اہاہاہا —— گولی مار مطلع ہے — افسوس کس غضب کا ستم ...."

"یہ افسوس کس پہ ہے منور بھائی۔" نعیمہ نے ہنسی چباتے ہوئے پوچھا۔

"جی" منور کے دانت نکل پڑے " شاعری میں تو افسوس وغیرہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ایک اور بھی مطلع تھا:۔

تازہ غزل جو بزم میں فرما رہے ہیں ہم
مستی میں کائنات کو لہرا رہے ہیں ہم"

آواز جگر خراش نہ ہوتی تو دونوں ہی مطلعے ہزار بار پڑھوانے کے قابل تھے۔ پھر بھی داد کی جھونک میں اُس نے دو تین بار خود ہی دہرا دیئے۔

"اب آگے بھی تو چلئے۔" نعیمہ جھنجلائی۔ منور نے اس پر بھی ہاتھ پیشانی تک لے جاکر آداب عرض کی۔ پھر بولا:۔

"ایک زبان کا شعر ہے۔ شاید پسند آئے۔

وعدہ کیا ہے یار نے مشکل سے وصل کا
اب کرلیا ہے وعدہ تو شرما رہے ہیں ہم"

"میر و مومن کی زبان ہے" میں نے برملا کہا۔

"شرما رہے ہیں ہم کی اشاریت جواب نہیں رکھتی۔"

لیکن نعیمہ نے داد دینے کے بجائے غصیلی نظروں سے میری طرف گھورا۔ منور اپنی رَو میں بولتا گیا۔

"زبان ہی کا ایک اور بھی شعر ہے —— محاورہ ملحوظ رہے۔

جتنے بھی تھے رقیب وہ سب لڑکے مر گئے
اب یار کی نظر میں چڑھے جا رہے ہیں ہم"

"مار ڈالا —— واللہ کیا محاورہ باندھا ہے۔"

"ذرہ نوازی — بندہ پروری — ایک اور شعر دیکھئے۔ ذرا سا سا نیا مضمون باندھا ہے۔"

"ذرا سا سا" نعیمہ بڑبڑائی۔

"یعنی مطلب یہ کہ اک ذرا سا ہٹ کے۔"

وہ بوکھلا تو رہا تھا مگر باچھیں کھلی ہوئی تھیں کیونکہ نعیمہ کا موڈ اب تک خوشگوار ہی تھا۔

"ٹھیک ہے — آپ فرمائیے۔" میں نے حوصلہ بڑھایا انھوں نے پھر ایک بار گنگنا کر سُر درست کئے۔ پھر یہ معرکۃ الآرا شعر کانوں میں داخل کیا:۔

دونوں طرف ہے یادوں کا طوفان اسقدر
وہ ہم میں اور ان میں گھسے جا رہے ہیں ہم

میں تڑپ کر داد دینے ہی والا تھا کہ نعیمہ اکدم اُبل پڑی۔

"آپ کا دماغ کیا بالکل ہی خراب ہے منور بھائی۔"

منور کا چہرہ فق ہو گیا —— "جی... جی... آپ شاید سمجھی نہیں۔ یہ تو تصور میں ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے" میں نے جلدی سے دلاسا دیا "مس نعیمہ شعر کا سیاسی پس منظر بھی تو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر ہندوستان اور پاکستان کیا ایک دوسرے میں گھس پینٹھ نہیں کرتے۔"

"جہنم میں گئی ایسی شاعری۔" نعیمہ نے درمیانی لہجے میں کہا۔ درمیانی سے مطلب یہ کہ اس کا اشتعال کچھ پھیکا سا ہو گیا تھا۔

"آپ آگے سنائیے جناب — ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں۔"

"ہی — ہی۔ دیکھئے۔ ایک حسب حال سا سا شعر بھی ہو گیا تھا۔"

"پھر سا سا" نعیمہ تڑخی۔

"آپ توڑیئے مت مس نعیمہ —— ہاں منور صاحب — حسب حال سا سا ضرور عنایت ہو۔"

عرض کیا ہے:۔

میرے سوال وصل پہ دلبر بھڑک اٹھا
غصہ ہے کس بلا کا ڈرے جا رہے ہیں ہم

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔" نعیمہ اب کی سچ مچ بگڑ گئی۔

"آپ بدذوقی کا ثبوت دے رہی ہیں۔" میں نے کہا "شعر کے تیور دیکھئے۔ شاعر کی امن پسندی دیکھئے۔ وہ غصّے کا جواب غصّے سے نہیں دیتا۔"

"بس تم چپ رہو ـــ" نعیمہ بھنّائی

"میں بدذوق نہیں ہوں کہ اچھے شعر پر داد نہ دوں۔ ـــ ہاں منور صاحب آپ چالو رہیئے۔"

مگر منور خالص تیموں کے انداز میں نعیمہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ نئی اجازت کا منتظر تھا

"خیر ترنم تو ضروری نہیں ـــ" نعیمہ اُکتا کر بولی۔

"بالکل ضروری ہے" میں نے لہجے میں زور پیدا کیا "آدھی جان تو شعر کی ترنم ہی میں ہوتی ہے۔"

"جہنم میں جاؤ ـــ میں تو چلی۔ تم سُنتے جاؤ۔"

مگر منور جلدی سے بولا:۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مس نعیمہ۔ آپ حکم دیں اور خاکسار نہ مانے۔ توبہ توبہ۔ لیجئے تحت اللفظ ہی سُنئے۔"

"ہاں ہاں مگر۔ شعر ہونے چاہئیں گالیاں نہیں۔"

منور کی آنکھیں اور منہ دونوں حیرت سے پھیل گئے وہ شاید سمجھا نہیں کہ گالیوں سے کیا مراد ہے۔ بہر حال اب تحت اللفظ ارشاد ہوا:۔

چیلنج ہے رقیب کو روکے تو روک لے
خوابوں میں اپنے یار کو بلوا رہے ہیں ہم

"خدا غارت کرے ـــ" نعیمہ ضبط نہ کر سکی۔

"یار یار یار۔ جس شعر میں دیکھو یار ـــ" مگر فقرہ پورا کرتے کرتے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ منور سمجھا داد مل رہی ہے پھٹ سے بولا:۔

"یار کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

خوابوں میں جب سے ہم کو ہوا ہے وصالِ یار
دن ہو کہ رات سوئے چلے جا رہے ہیں ہم

"گڈ گڈ گڈ" میں نے رانیں پیٹ لیں "کیا مضمون باندھا ہے۔ واللہ ایک اور ہو جائے یار کا۔"

"اور بھی ہے۔ توجہ ہو:۔

اے یار کچھ تو اہلِ وفا کا لحاظ کر
مجنوں سے بھی فنا میں بڑھے جا رہے ہیں ہم

"پاگل بالکل" نعیمہ زیر لب بڑبڑائی۔ میں نے تو سن لیا مگر منور شاید نہ سُن سکا۔

"ہر شعر لوہا لاٹ" میں نے جلدی سے کہا "آپ تو چھپے رستم نکلے منور صاحب۔ ہاں اور ہو جائے۔"

"عرض کیا ہے۔ ذرا محاوراتی پہلو ملحوظ رکھیئے گا۔

ٹخنوں میں اپنے موچ ہے تلووں میں آبلے
پھر بھی تو سر کے بل ہی چلے جا رہے ہیں ہم

"غضب ـ سو فی صدی غضب ـ غالب و مومن بھی کیا کھا کے ایسے مضمون باندھیں گے۔"

"تسلیم عرض کرتا ہوں ـــ ایک اور دیکھئے:۔

ہم نے تمھیں خدا سے بھی آگے بڑھا دیا
ہر بات میں تمھاری قسم کھا رہے ہیں ہم"

"کیا دعویٰ اور کیا دلیل ہے ـــ الحمد للہ بلکہ حاشا کلاّ ـــ سن رہی ہو محترمہ نعیمہ صاحبہ اسے کہتے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری۔ میں سمجھتا ہوں منور صاحب۔ اس غزل کے بعد تو کوئی بھی شاعر نہ ٹک سکا ہوگا۔"

"ارے صاحب۔ ایک دھوم مچ گئی تھی۔ ہمارے بعد ظُرفہ انبالوی مائک پر آئے تھے مگر پبلک نے شور مچایا کہ جام صاحب کو پھر بھیجو۔ بیچارے ظُرفہ بغلیں جھانکنے لگے ـــ پھر ظالم سیتاپوری آئے وہ بھی پٹے۔ مرہم ختنائی کی بھی دال نہیں گلی۔ حاضرین چیخے جا رہے تھے کہ جام صاحب کی ہوگی۔"

ماشاء اللہ بلکہ فنا فی اللہ۔ شاید ابھی تو آپکی غزل میں اور شعر بھی ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ دو تین۔ ایک ذرا تیور دیکھئے۔ کس انداز میں کہا ہے:۔

مارا ہے لا کے داؤ پہ ہم نے رقیب کو
سہما ہوا پڑا ہے وہ غرّا رہے ہیں ہم

"خدا آپ پر رحم کرے ـــــ یہ شاعری ہے"۔ نعیمہ نے مایوسانہ انداز میں ہاتھوں اور شانوں کو حرکت دی۔

"شاعری نہیں الہام ہے۔" میں نے پھٹ سے کہا ـــ "ہاں منور صاحب آگے بڑھیئے"۔

"ایک واقعاتی شعر ہے۔ شاید پسند آئے:-

وہ ساتھ لے رقیب کو کشمیر چل دیئے
اب آتشِ حسد میں جلے جا رہے ہیں ہم"

"خدا کے لئے مقطع بھی کبھی آئے گا ـــ" نعیمہ سچ مچ بیزار ہوگئی۔

"ہاں دوست۔ اب مقطع ہی ہو جائے۔"

"م مقطع ـ" وہ ہکلایا۔ چہرے پر شرماہٹ پھیل گئی "جی ہاں مقطع تو ہوا تھا م مگر ـــ"

"کیا مگر"

"م مس نعیمہ ـــ اگر اجازت دیں۔ نہ خیر جانے دیجئے۔ یہ برا مان جائیں گی۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ" نعیمہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ "کیا مقطع میں ماں بہن کی گالی بک دی ہے۔"

"نہ خیر۔ گالی کی بات نہیں۔ وہ دراصل۔۔۔"

"مائی ڈیر ـــ شعر کے معاملے میں ڈرا نہیں کرتے۔ جو بھی کہا ہے سنا ڈالو۔ مس نعیمہ کی طرف سے میں گارنٹی لیتا ہوں۔"

"سناؤں" اس نے نعیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ہی ملتجیانہ لہجے میں پوچھا۔

"خدا کے لئے سنا بھی چکو ـــ"

منور نے پھر سے کھکار کر اسٹارٹ لیا:-

"حرفوں میں حرفِ نون سے بڑھ کر نہیں ہے حرف
اے جام نون ہی پہ مٹے جا رہے ہیں ہم"

"کیا؟" نعیمہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ وہ دفعتاً اس طرح اچھلی تھی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ منور کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ گئیں۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں محترمہ" میں بولا "نون سے فقط نعیمہ ہی تو نہیں ہوتا۔ نسیمہ، نکہت، نسرین، نازلی، نزاکت بیگم، نفیسہ بانو سیکڑوں نام ہوتے ہیں۔ کیوں جام صاحب ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

"یو شٹ اپ" نعیمہ حلق کے بل چیخی۔ اِس انگریزی گالی کا ہدف میں ہی تھا مگر فوراً ہی اس کا رُخ شاعرِ بے بدل کی طرف پھر گیا ـــ "حد ہو گئی منور صاحب آپ سے۔ میرا منہ بھائی کہتے کہتے سوکھ گیا مگر آپ ہیں کہ لفنگوں کی طرح عشق بگھارے چلے جا رہے ہیں۔ آج صاف صاف کہے دیتی ہوں یہ حرکت برداشت نہیں کرونگی۔"

منور پر گھڑوں کیا مٹکوں پانی پڑ گیا تھا۔ ہونٹ خشک تھے۔ آواز منہ سے نہیں نکل رہی تھی۔ مجھے ترس آنے لگا۔ بہت ہی لجاجت سے کہا:-

"بھئی میڈم مس نعیمہ۔ شاعروں کے عشق وشق کا تو والدین تک بُرا نہیں مانتے۔ ایسی بھی کیا نزاکت ہے۔ انھیں معاف کردو۔"

میری آواز تقریباً ہچکیوں سے مشابہ تھی۔ نعیمہ کے ہونٹوں پر تبسّم کی برق کوندی مگر ہونٹ چبا کر اس نے اسے دبالیا۔ اس کے چہرے کی تمتماہٹ ہلکی پڑ گئی تھی۔ اشتعال کا پارہ نیچے اُتر آیا تھا۔

"آج معاف کردوں مگر یہ حضرت کل پھر یہی حماقت فرمائیں گے ـــ"

"سن رہے ہو منور بھائی ـــ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"میں تو دل سے مجبور ہو گیا تھا" وہ ہکلاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تھا کی بات چھوڑو" میں نے جلدی سے کہا۔ "بزرگوں نے کہا ہے کہ جو ہوا سو ہوا۔ یعنی مضیٰ ما مضیٰ۔ آئندہ تم یہ حرکت نہیں کروگے۔"

"ارے تمھیں شرم نہیں آتی" نعیمہ کو پھر طرارہ آیا۔ "میں تو کہوں منور بھائی تم بکو اول فول۔"

"بس - اسٹاپ" میں نے ہاتھ اور سر کے اشارے سے بریک لگایا "جوانی میں سب طرح کی حماقتیں چل جاتی ہیں - اب اگر تم لڑنا بھڑنا جاری رکھو گی تو ناچیز اپنے فرمودات کس طرح گوش گذار کر سکے گا۔"

"بس خدا کے لئے رحم ــــ تم نے بھی غزل کے نام پر اسی قسم کی جھک ماری ہوگی ـ"

"غزل کس چڑیا کا نام ہے - میں نے نظم کہی تھی - ہاں بس مصرعہ طرح پر گرہ ضرور لگادی تھی - ذرا سنو۔"

"بالکل نہیں سنوں گی ــــ تم اِن کے کان میں سُنا سکتے ہو ـ" اس نے کسیلی نظروں سے منور کی طرف دیکھا جو غریب ڈرے ہوئے کبوتر کی طرح سُکڑا اسمٹا بیٹھا تھا۔

"تمھیں سُننا پڑے گا - میری گرہ تو جناب صدر تک نے پسند کی تھی - خبر ہے کس کی صدارت میں مشاعرہ ہوا تھا۔ پرنس آف آئرن لالہ دولت رام لوہے والا ـ"

"بھیجا چاٹ کے رکھدیا تم لوگوں نے ــــ چلو سناؤ۔ تم بھی سناؤ ـ" بچاری کا لہجہ ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو چلو مارو تم بھی مارو۔

"ہاں منور بھائی ــــ یاد ہے مصرعہ طرح ـ" میں نے اس غریب کی پیٹھ پر حوصلہ افزائی کے انداز میں تھپکی دی۔

"جی ہاں - آپ نے فرمایا تھا - پٹا گیا رقیب تو تھرا رہے ہیں ـ"

"ماشاء اللہ - آپ کا حافظہ بھی بڑا شاندار ہے ـ"

"کیا سچ مچ مصرعہ طرح تھا یا یہ تمھاری بکواس ہے ـ" سیمہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائی۔

"تمھیں کیسے یقین دلاؤں - ہفت روزہ تلوار میں تو اس مشاعرے کی روئداد بھی چھپی تھی ـ"

"یہ بھی بکواس ہے - تلوار کے نام سے پرچے کا ڈیکلریشن مل ہی نہیں سکتا ـ"

"پھر جھنکار رہا ہوگا - بہر حال ہفت روزہ ہی تھا ـ"

"چلو تمہید ختم - اب سنا سنو کے جان چھوڑو ـ"

"ہمت افزائی کا شکریہ - گرہ عرض کی تھی :-

عبرت پذیریِ دلِ عشّاق دیکھیے
پٹا گیا رقیب تو تھرا رہے ہیں ہم

دفعتاً نعیمہ کا موڈ بدل گیا - "ارے وا - گرہ تو اچھی لگادی ہے - مگر کیا ثبوت ہے کہ تم نے ہی لگائی ہوگی ـ"

"اس کا مطلب ہے تھیں بہت پسند آئی - پھر تو نظم بھی سنو گی ـ"

"کیا اسی غــزل کی زمین میں ہے ؟"

"سو فیصدی - غزلِ مسلسل بھی کہہ سکتی ہو - سچا واقعہ نظم کیا ہے ـ"

"خیر سچے تو تم جتنے ہو صورت سے ظاہر ہے شاعروں سے بڑھ کر جھوٹا کوئی ہو ہی نہیں سکتا ـ"

"یہ تم کہہ رہی ہو حالانکہ ابھی منور بھائی کے اشعار تمھیں حقیقت نظر آرہے تھے ـ"

"بس خدا کے لئے ــــ اب شروع بھی ہو چکو - ہاں کیا تھی نظم ـ"

"منور بھائی ــــ اجازت ہے ــــ ؟"

"بالکل جی ہاں - ارشاد ہو ـ"

"میں کان پر ہاتھ رکھ کر ترنم فرماؤں گا ــ"

"میں تمھارے سر پہ گلدان دے ماروں گی ـ آدمیوں کی طرح تحت اللفظ ـ"

"اوہو - تو کیا ترنّم صرف گدھوں کا حق ہے ـ"

"وہ شاعر گدھوں سے بھی بدتر ہیں جنھیں خدا نے اچھی آواز نہیں دی مگر وہ ترنم سے باز نہیں آتے ـ"

"میری آواز کا سلسلۂ نسب محمد رفیع سے ملتا ہے۔ میرے بھی ریکارڈ گلی گلی بجتے مگر کیا کروں فرصت ہی نہیں ملتی ـ"

"اب میں کچھ نہیں بولوں گی - تم فضول گوئی کے امام ہو ـ"

"ہاں بھائی صاحب ــــ نظم کی زمین تو ہے نہیں یہ - دیکھیں آپ نے کیسے کہی ہے ـ" منور نے کہا۔

"لمبی کافی ہے ــــ داد کے بغیر سنیں تو شاید پوری سنا سکوں ـ"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

آخر کار ہمیں تحت اللفظ شروع ہو گیا:۔

تھا اک مریضِ عشق ہمارے پڑوس میں
قصہ اسی کا آپ کو سنوا رہے ہیں ہم

محبوب اس کا بھاگ گیا شہر چھوڑ کر
یہ بھی نہ دی ہوا کہ کہاں جا رہے ہیں ہم

عاشق کو دورِ ہجر میں ٹی بی نے آ لیا
جو بات ہے وہ صاف کہے جا رہے ہیں ہم

پھر نوکری بھی ڈوب گئی اس غریب کی
کیا واقعاتِ غم ہیں جو دہرا رہے ہیں ہم

غربت کا عشق جیسے کسی لاٹری کا خواب
تمثیل دے کے بات کو سمجھا رہے ہیں ہم

تھوڑے سے دن تو خیر چلا دان پُن سے کام
کچھ لا رہے ہیں آپ تو کچھ لا رہے ہیں ہم

لیکن یہ روز روز کا یارا نہ تا سکے
قصے کے خاص موڑ پہ اب آ رہے ہیں ہم

میں سگریٹ جلانے کے لئے رُکا۔ نعیمہ بھنّائی۔

"کیا مصیبت ہے۔ سگریٹ بھی اسی وقت ضروری تھی۔"

"سگریٹ سے بھی شعروں میں جان پڑتی ہے۔ ہماری طرف ایک شاعر تھے نالہ رسول پوری۔۔۔"

"ارے خدا کے لئے" نعیمہ ہاتھ اٹھا کر چیخی "اِدھر اُدھر کی پھر ہانک لینا۔"

صاف ظاہر تھا کہ اسے نظم میں دلچسپی آ ئی ہے میں سگریٹ کا کش لے کر پھر چالو ہوا:۔

اک روز اس کے نام پہ دلبر کا خط ملا
منظور ہے وصال ہمیں آ رہے ہیں ہم

تم سے وفا کریں گے نباہیں گے عمر بھر
راہِ وفا کو چھوڑ کے پچھتا رہے ہیں ہم

ہم نے لکھا جواب کہ اے جانِ آرزو
یہ خط بجائے یار کے بھجوا رہے ہیں ہم

عاشق ہیں اب دھری ہے کہاں طاقتِ وصال
کروٹ بھی اپنے ہاتھ سے دلوا رہے ہیں ہم

چندہ سا ہو گیا ہے تو اس نامراد کو
ٹی بی کے ہسپتال لئے جا رہے ہیں ہم

"چندہ سا کیا؟" نعیمہ دفعتاً چیخ اٹھی۔

"فقط نو روپے میں پیسے ہوا تھا۔ اسے سا کے سوا کیا کہیں گے۔"

"لعنت ہے۔ سارے محلّے والے فقیر ہی تھے کیا؟"

"یہ بات نہیں۔ دراصل عاشقوں کے متعلق ان کے خیالات اچھے نہیں تھے۔"

"اچھا خیر۔۔۔ آگے کیا ہوا۔"

"عجیب ماجرا ہوا:۔

آیا جواب وصل ہے ٹی بی کا بھی علاج
کل شام کی ٹرین سے بس آ رہے ہیں ہم

پھر واقعی وہ آ ہی گیا یعنی آ گئی
عورت تھی جس کو مرد کہے جا رہے ہیں ہم

آئی مگر یہ دیکھ کے غصّے میں بھر گئی
میّت شہیدِ ناز کی دفنا رہے ہیں ہم

کہنے لگی کہ ہائے یہ کمبخت مر گیا
یہ بھی نہ انتظار کیا آ رہے ہیں ہم

ہم نے کہا جناب طبیعت تو ٹھیک ہے
حیرت سے عقل دنگ ہے چکرا رہے ہیں ہم

آخر یہ التفاتِ اچانک ہے کیا بلا
اس غم کدے میں آپکو کیوں پا رہے ہیں ہم

لمبا سا سانس لے کے وہ بولی کہ بیڈ لک
اب کیا بتائیں آپ کو پچھتا رہے ہیں ہم

آئے تھے ہم تو ڈھونڈ کے میرج کے واسطے
تھی کیا خبر فضول چلے آ رہے ہیں ہم

ہم نے کہا یہی تو ہے میڈم وہ رازِ عشق
جس کی عمیق تہہ کو نہیں پا رہے ہیں ہم

پہلے تو تیرِ ہجر وہ مارا کہ ہائے ہائے
اب آپ کہہ رہی ہیں کہ پچھتا رہے ہیں ہم

وہ مسکرائی غور سے دیکھا مری طرف
پھر زیرِ لب جواب دیا جا رہے ہیں ہم
کل وَل کو گھر پہ آؤ ہمارے تو بات ہو
شایانِ التفات تمھیں پا رہے ہیں ہم
محرم بنائیں گے تمھیں ہر رازِ خاص کا
ہے بات فائدے کی جو بتلا رہے ہیں ہم
یہ کہہ کے اس طرح سے گئی وہ کہ آج تک
سینے پہ، اس کے نقشِ قدم پا رہے ہیں ہم
فوراً وفورِ شوق میں محسوس یہ ہوا
جیسے افق کے پار اُڑے جا رہے ہیں ہم
کچھ دیر بعد ہوش جو آیا تو حیرت سے
پایا یہ اپنا حال کہ ہکلا رہے ہیں ہم
جھنجلا کے ہم نے خود کو دلاسا دیا کہ ہائیں
کیا بات ہے جو مفت میں گھبرا رہے ہیں ہم
ہوّا نہیں ہے کھا تو نہ جائے گی مل تو لیں
وسواس دل میں اپنے عبث لا رہے ہیں ہم
پھر اس کے گھر پہنچ کے ملاقات کر ہی لی
گو آج اس کے ذکر سے شرما رہے ہیں ہم
خوش آمدید اس نے بڑے پیار سے کہا
معلوم تھا ہمیں کہ کھِسے جا رہے ہیں ہم
پھر پھل فروٹ چائے سبھی کچھ منگا لیا
کُل داستان کھول کے دہرا رہے ہیں ہم
کہنے لگی سُنا ہے بڑے عقلِ کُل ہو تم
گتھی ہے ایک تم سے سلجھوا رہے ہیں ہم
سلجھا سکو اگر تو پرافٹ میں ہاف ہاف
بن جاؤ گے رئیس قسم کھا رہے ہیں ہم
تھوڑا سا ہیر پھیر ہے بزنس کی بات ہے
ہے چانس اک عجیب جو بتلا رہے ہیں ہم
ویسے بھی تم سے ایک تعلق سا ہو گیا
دل سے بہت قریب تمھیں پا رہے ہیں ہم
سوچو اگر ذرا تو معمہ نہیں یہ بات
کیوں اتنے مہربان نظر آ رہے ہیں ہم

لاحول پڑھ کے دل میں دیا ہم نے یہ جواب
اے نیک بخت رحم کہ غش کھا رہے ہیں ہم
یکلخت ایسی بارشِ الفت نہیں نہیں
ہوش و خرد سے دُور ہوئے جا رہے ہیں ہم
بزنس ہے اور چیز محبت ہے اور چیز
دونوں کو مت ملاؤ یہ سمجھا رہے ہیں ہم
بولی کہ بات تم بھی سلیقے کی کہہ گئے
دل میں تمھاری قدر سوا پا رہے ہیں ہم
لیکن تکلفات سے اب فائدہ ہی کیا
تم ہم کو بھا رہے ہو تمھیں بھا رہے ہیں ہم
بزنس کا اور وقت محبت کا اور وقت

مگر دوسرا مصرعہ زبان پر آنے سے پہلے ہی لیڈی فردوس دروازے میں نظر آئیں۔ ان کے چہرے پر شگفتگی نہیں تھی۔ آتے ہی انھوں نے منور کو ایسی ناخوشگوار نظروں سے دیکھا جیسے اس وقت اس کی موجودگی پسند نہ آئی ہو۔

"ممی۔ ہم لوگ آپ ہی کے انتظار میں ہیں" نعیمہ بولی "کیا چچا جان بھی تشریف لے آئے ہیں۔"

"وہ میرے ساتھ نہیں تھے ——— کیا اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔"

"چلو ہم کھانا کھائے لیتے ہیں۔ وہ پتہ نہیں کس وقت آئیں۔"

"معاف کیجئے گا خالہ جان ——— میں بے وقت حاضر ہو گیا۔" منور نے معذرت کی۔

"ہاں ہاں" لیڈی فردوس جلے بھُنے لہجے میں بولیں "کونسا کام تم وقت پر کرتے ہو ——— اٹھو جاؤ بس۔"

کھانے کے دوران فضا کچھ گھُٹی گھُٹی رہی۔ میں نے منور کے کمالِ شعر گوئی کا ذکر چھیڑا تھا مگر لیڈی فردوس نے برا سا منھ بنا کر بات ٹلا دی تھی۔ کھانے کے بعد لیڈی فردوس نے منور سے کہا:۔

"تم فوراً تجلّی صاحب کے یہاں جاؤ۔ وہ میرے منتظر ہوں گے۔ کہنا کہ میں اس وقت نہ آسکوں گی۔"

منور فوراً ہی چلا گیا۔

پھر لیڈی فردوس مجھ سے مخاطب ہوئیں۔

"عجیب معاملہ ہے۔ آج صبح وظیفے کے بعد خواجہ صاحب نے تمھارے بارے میں تشویش ظاہر کی تھی۔"

"تشویش!"

"ہاں۔ انھیں اندیشہ ہے کہ تم کسی پریشانی میں پڑنے والے ہو۔"

"اللہ مالک ہے ـــــ اور کوئی تفصیل بتا رہے تھے؟"

"نہیں ـــــ انھیں شاید مراقبے میں کچھ اشارہ ملا تھا۔ میں سہم رہی ہوں کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔"

"آپ کی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ فکر نہ کیجئے میں پیدائشی طور پر پریشانی پروف واقع ہوا ہوں۔"

"مذاق چھوڑو ـــــ اگر واقعی کوئی پریشانی سامنے ہو تو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں سے جو کچھ بھی بن پڑے گا ضرور کریں گے۔"

"فی الحال تو کوئی ایسی بات نہیں ـــــ ہاں ایک خط ملا ہے۔ مگر میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔"

یہ کہہ کر میں نے ٹائپ والا خط جیب سے نکال کر انھیں دیا۔ ماں بیٹی دونوں ہی نے اسے جلدی جلدی پڑھا۔ میں نے مختصراً پس منظر بھی عرض کر دیا۔ لیڈی فردوس سہمے ہوئے انداز میں کہنے لگیں:۔

"یہ تو بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ تم نے پولیس میں رپورٹ کی؟"

"ابھی گیارہ بجے تو یہ ملا ہی ہے۔ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

"نہ دینے کی وجہ؟" نعیمہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

"دھمکیاں دینے والے عموماً بزدل ہوتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے" لیڈی فردوس بولیں "مگر پولیس میں رپورٹ ضرور ہونی چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بات پیش آ ہی جائے تو ابتدائی رپورٹ بڑا کام دیتی ہے۔"

"جیسا آپ کا مشورہ ـــــ کچھ پولیس والے میرے شناسا بھی ہیں۔ رپورٹ لکھوانے میں دقت پیش نہیں آئے گی۔"

"یہ اور بھی اچھا ہے۔ خدا تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم گواہی دو ہی دو" نعیمہ نے مجھے مخاطب کیا ـــــ "خواہ مخواہ مقدمہ بازی میں پھنسنے سے کیا فائدہ؟"

"فائدے اور نقصان کا سوال نہیں ہے۔ اگر میں پیچھے ہٹ جاؤں تو یہ کمینہ پن ہوگا۔ دھمکی کے بعد تو ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اب ایسے بھی تم رستم نہیں ہو" نعیمہ بگڑ گئی۔ "ایک دو نے کہیں گھیر لیا تو چٹنی بنا کر رکھ دیں گے۔"

"کیوں بد فالی کی باتیں منھ سے نکالتی ہو" ماں نے بیٹی کو ٹوکا۔ "شرافت اور انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ پیچھے ہٹنے کا مشورہ میں نہیں دوں گی مگر پولیس میں رپورٹ ضرور ہونی چاہیئے۔"

"آج ہی ہو جائے گی ـــــ پتہ نہیں خواجہ صاحب کیا رائے دیں۔"

"وہ بھی یقیناً یہی رائے دیں گے۔ اگر دھمکی بوگس ہی ہو تب بھی رپورٹ میں تو نقصان کچھ نہیں۔"

کچھ دیر بعد خواجہ صاحب بھی آ گئے۔ لیڈی فردوس کے اندازے کے مطابق ان کی بھی رائے یہی ہوئی کہ رپورٹ درج کرا دی جائے۔

دیر خاصی ہو چکی تھی۔ اب جلد سے جلد مجھے شاہین ہوٹل پہنچ جانا چاہیئے تھا لیکن وہاں پہنچنے کے بعد شام تک بھی چھٹکارہ مل سکے گا یا نہیں یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوا کہ پہلے چل کے رپورٹ

لکھوادوں پھر شاہین جاؤں۔

خواجہ کھانے میں اور لیڈی فردوس کھلانے میں لگ گئی تھیں۔ میں رخصت ہوا تو نعیمہ میرے ساتھ باہر لان تک آئی۔

"بھاگے کہاں جا رہے ہو ـــ وہ نظم ـــ"

"اب کیسی نظم ـــ جتنی تھی سنا دی ـــ"

"بور مت کرو ـــ میں پوری سنے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

"قسم لے لو۔ آگے ہے ہی نہیں ـــ دراصل اتنی ہی کہی گئی تھی۔"

"میں منور نہیں ہوں ـــ آؤ بیٹھ جاؤ ـــ"

"حضور بہت دیر ہو گئی ہے۔ مجھے رپورٹ درج کرا کے ایک بہت ہی ارجنٹ پروگرام میں شرکت کرنی ہے۔"

"ارے تو دس پانچ منٹ میں کونسی قیامت آجائے گی۔ اب تو شاید دس بیس شعر باقی رہ گئے ہوں گے۔"

"کیسے دس بیس۔ ایک بھی تو باقی نہیں۔ یقین کرو ایسا ہوا تھا کہ مشاعرے کے دوران ہی جھگڑا ہو گیا تھا۔ میں آگے نہیں پڑھ سکا تھا۔"

"جہنم میں گیا پڑھنا ـــ اب جلدی سے بقیہ سنا دو ورنہ میں ایک قدم بھی سرکنے نہیں دونگی۔"

"ارے سمجھو بھی تو ہوا کیا تھا۔ ٹھیک اس وقت جب میں مشاعرے میں اس مصرعہ پر پہنچا۔ بزنس کا اور وقت محبت کا اور وقت تو دفعتاً قریب ہی سے تمنا لکھنوی صاحبہ کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ وہ اسٹیج پر شعرائے کرام کے گھیرے میں تشریف فرما تھیں۔ کسی نالائق نے ان کے چٹکی بھر لی تھی۔ بس پھر تو ہو حق مچ گئی۔ کیا ہوا کیا ہوا کرتے ہوئے سامعین اسٹیج کی طرف دوڑ پڑے۔ پتہ نہیں کس مسخرے نے اسی وقت بجلی آف کر دی۔ پھر تو کتنی اور مہین مہین چیخیں بھی سنی گئیں اور وہ ہنگامہ ہوا کہ خدا کی پناہ۔ اسی ہنگامے میں کسی نے میرے ہاتھ سے نوٹ بک چھین لی۔ میں اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتا رہ گیا۔"

"ابھی تم نوٹ بک سے تو نہیں سنا رہے تھے ـــ احمق بناتے ہو۔"

"دراصل جتنی مشاعرے میں پڑھی تھی وہ تو یاد رہ گئی۔ باقی کو دہرانے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ یاد کیسے رہتی۔"

"اچھا لعنت بھیجو ـــ مجھے نثر ہی میں بتاؤ قصہ کیا تھا؟"

"قصہ ـــ دراصل ـــ اچھا یوں فرض کرو مرنے والے کا نام تھا افتخار احمد اور میڈم کا نام تھا شکیلہ بیگم۔"

"فرض کر لیا" نعیمہ کے لہجے میں ننھے بچوں کا سا بھولپن تھا۔

"اب یہ بھی فرض کرو کہ شکیلہ بیگم اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ جس شہر میں تشریف لے گئیں وہاں افتخار احمد کے ایک دور کے رشتے دار رہتے تھے تفضل حسین۔"

"چلو یہ بھی فرض کر لیا۔"

"تفضل حسین لکھ پتی تھے اور آل اولاد کچھ نہیں تھی۔ دفعتاً وہ ہارٹ فیل کر گئے اور شکیلہ بیگم کو کسی طرح معلوم ہوا ان کی وراثت افتخار احمد کو پہنچتی ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اس نے افتخار احمد سے تجدید تعلقات کا پروگرام بنایا اور بوائے فرینڈ کو جھانسہ دے کر اپنے شہر بھاگی آئی۔ اس کی اسکیم تھی کہ جتنی جلد ہو سکے افتخار احمد سے شادی کرے کیونکہ وہ ابھی تک کنوارے ہی تھے اور یتیم ویسیر بھی۔ اگر وہ اللہ کے بندے اتنی جلدی راہی ملکِ عدم نہ ہو گئے ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ شکیلہ بیگم ٹی بی کے ہسپتال میں بھی انھیں دولھا بنائے بغیر نہ چھوڑتی۔"

"خدا غارت کرے۔ کیسی کیسی کمینی عورتیں تمہارے کھوپڑے میں جنم لیتی ہیں۔"

"اوہو ـــ تو تم اسے میری تصنیف سمجھ رہی ہو۔"

"نہیں نہیں۔ یہ تو بالکل سچا واقعہ ہے۔ ہاں آگے۔"

"آگے تو بس خلاصہ مطلب ہے۔ یعنی وہ مجھے گواہ بنانا چاہتی تھی۔"

(جاری)

چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں | اسلامی تعلیمات | تعلیمات نبوی

کھرے کھوٹے

چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

- مصنفہ :- محمد شہاب الدین ندوی -
- شائع کردہ :- فرقانیہ اکیڈمی - چک باناور بنگلور۔
- لکھائی چھپائی غنیمت - کاغذ سفید - سائز چھوٹا -

قیمت ساڑھے تین روپے -

امریکی خلا بازوں کے چاند پر قدم رکھنے کے بعد بے شمار مضامین ایسے لکھے گئے جن میں اس موضوع پر مذہبی رُخ سے گفتگو کی گئی ہے - مگر اس موضوع پر کم سے کم اُردو میں سب سے زیادہ تسلسل کے ساتھ جس مصنف نے قلم کو حرکت دی ہے وہ ہیں جناب محمد شہاب الدین ندوی - آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل ہیں - اس موضوع پر آپ کی تحریریں رواروی کے درجے کی نہیں نہ انکا تعلق جذبات کے کسی ہنگامی اُبال سے ہے بلکہ آپنے پورے عزم، حوصلے اور غور و فکر سے ایک مستقل اسکیم تیار کی ہے جس کے تحت بہت سے مضامین لکھ چکے ہیں اور بہت سوں کا خاکہ پیش نظر ہے - حتیٰ کہ ان کی مخلصانہ کوششوں نے ایک ادارے کو جنم دیا ہے جس کا نام ہے "فرقانیہ اکیڈمی" اور اسی اکیڈمی سے پیش نظر کتاب چھپی ہے جو اس سے قبل قسط وار "برہان" میں چھپ چکی تھی -

ہم نے اس کتاب کا لفظ لفظ پڑھا اور اس کے علاوہ بھی مصنف کے جو مضامین صدق جدید وغیرہ میں چھپتے رہے ہیں مطالعہ کیئے - ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ موصوف ذہین ہیں - طبّاع ہیں - دین و ملّت کے لئے وافر جذبہ اور سرمایۂ اخلاص رکھتے ہیں - قرآنی آیات سے نکتہ آفرینی میں ان کی طبیعت بڑی رواں ہے - خدا کی کتاب سے ان کی عقیدت گہری اور قابل رشک ہے - مجتہدانہ ذوق رکھنے کے باوجود بے لگام تجدد پسندی کے وہ رسیا نہیں شاید اسی لئے مولانا ابوالحسن علی میاں نے پیش نظر کتاب پر ایک حوصلہ افزا مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں ان کی کوششوں کو سراہا گیا ہے اور سہ ماہی جریدے "سائنس" کے سابق ایڈیٹر

جناب محمد نصیر احمد عثمانی ایم۔ اے نے بھی "تعارف" سپردِ قلم کیا ہے جس میں وہ مصنف کی کوشش کو سراہتے اور اس کی کامیابی کا اعتراف کراتے ہیں۔

اس مجموعی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ہمیں ضروری معلوم ہوا کہ محض ایک ضابطے کے تبصرے پر اکتفا نہ کریں بلکہ مفصل نقد کی زحمت اٹھائیں تاکہ فاضل مصنف اس عظیم الشان کام کو زیادہ عمدگی، احتیاط، تدبر اور متانت کے ساتھ آگے بڑھا سکیں جس کا ان کی جواں ہمتی نے بیڑا اٹھایا ہے۔

کسی تصنیف کے کمزور پہلوؤں کو اُجاگر کرنا اور خامیاں گنوانا خوشگوار کام نہیں۔ خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ تنقید کو اخلاص اور جذبۂ تعمیر پر محمول کرنے والے خال خال رہ گئے ہوں۔ مگر ہم عزیزی شہاب الدین صاحب کی وسیع النظری اور سعادتمندی سے یہ حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ وہ ہماری معروضات کو دوستی اور افہام و تفہیم کی روشنی میں دیکھیں گے اور ٹھنڈے دل سے یہ غور کریں گے کہ جن اُمور کی نشاندہی ہم بطورِ تبصرہ کر رہے ہیں وہ واقعتہً لائقِ توجہ ہیں یا انھیں کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔

تبصروں کے سلسلے میں ہماری روش یہ بھی نہیں ہی کہ مصنفین کو جوابی مضامین لکھنے کی دعوت دیں لیکن جو اسکیم عزیزِ موصوف لے کر چلے ہیں اسے اونچی سطح پر کامیاب دیکھنے کی خواہش ہمیں یہ کہنے پر آمادہ کر رہی ہے کہ اگر ہمارے تنقیدی معروضات پر موصوف کچھ کہنا ضروری سمجھیں تو تجلی کے صفحات حاضر ہیں بشرطیکہ انداز مناظرے کا نہ ہو افہام و تفہیم کا ہو۔ بات کی پیچ مقصود نہ ہو بلکہ تحقیقِ حق پیشِ نظر ہو۔

جہاں تک تعریف کا تعلق ہے ہم مصنف کی صلاحیتوں کو ابھی چند سطر قبل سراہ چکے۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ موصوف اگر زیادہ احتیاط اور تحمل کے ساتھ کام کو آگے بڑھائیں گے تو وہ کوئی اونچا کارنامہ انجام دینے کی خداداد استعداد رکھتے ہیں۔ لیکن یہ نصیحت بھی انھیں ضرور سن لینی چاہیئے کہ مولانا علی میاں ہوں یا مولانا عبدالماجد دریابادی ان کی عظمت اور علم و فضل میں دو رائے کی گنجائش نہ ہوتے ہوئے بھی یہ یقین ہرگز نہ رکھنا چاہیئے کہ جس مضمون یا کتاب کی انھوں نے فراخدلانہ توصیف کر دی ہے وہ نقص و عیب کی ہر آلودگی سے پاک صاف ہوئی۔ یہ حضرات بڑے شفیق و کریم ہیں۔ بعض اوقات چھوٹوں کی ہمت بڑھانے کے لئے بھی داد و تحسین میں قدرے مبالغہ کر جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب کی سطر سطر پر غور و فکر اور پورے التفات کا موقعہ انھیں نہیں ملتا اور بعض نقائص ان کے دائرۂ علم و ادراک میں آنے سے رہ جاتے ہیں۔

بہر حال بزرگوں کی حوصلہ افزائی اپنی جگہ لیکن ہم جیسے خوردوں کی خامہ فرسائی بھی اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس پر خالص علم و عقل کی روشنی میں غور کیا جائے اور جو بات درست معلوم ہو اس سے اگلے مراحل میں فائدہ اٹھایا جائے۔

اس تمہید کے بعد کتاب کے لائقِ توجہ پہلو اور اجزاء ملاحظہ فرمائے جائیں۔ خدا کرے مصنف کبیدہ خاطر نہ ہوں اور یہ نکتہ ان کے پیشِ نظر رہے کہ تمہارا اصلی دوست وہ ہے جو تمہارے عیوب سے تمہیں آگاہ کرے!

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مصنف اگرچہ نثر اچھی لکھتے ہیں مگر ابھی اس میں وہ پختگی، رچاؤ اور علو نہیں جس کا تقاضا ان کا ٹھوس اور ادق موضوع کرتا ہے۔ حد ہے کہ کئی جگہ زبان کی موٹی خامیاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۵ پر انھوں نے لکھا:-

"غرض میں نے آپ کے تعلیم کردہ تفسیری اصول و ضوابط کی روشنی میں بہت سے جری اور انقلابی فیصلے کر ڈالے ہیں۔"

"جری" کا لفظ یہاں درست استعمال نہیں ہوا۔ جری صاحبِ جرأت کو کہتے ہیں اور صاحبِ جرأت فیصلہ کرنے والا ہو سکتا ہے نہ کہ خود فیصلہ۔ فیصلوں کی صفت تو "جرأت مندانہ" آنی چاہئیے تھی۔ جری خود مصنف ٹھیریں گے اگر ان کے فیصلے جرأتمندانہ ہوں

زبان کی اس غلطی کے علاوہ لفظ "انقلابی" بھی یہاں ایسا فٹ نہیں جیسا نگینہ انگوٹھی میں فٹ ہوتا ہے اپنے جن فیصلوں کو انھوں نے "انقلابی" خیال کیا ہے وہ ہماری دانست میں کسی بھی نوع کے انقلاب سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کی حیثیت ایسی آرار کی ہے جو قرآن اور سائنس کے ایک طالب علم نے صبر و تحمل کے بجائے جرأت و جوش سے کام لیکر قائم کرلی ہیں اور انھیں سپردِ قلم کرنے میں منطقی دراست سے زیادہ جذباتی خروش اور لفظی بلند آہنگی سے کام لیا ہے۔

زبان کی دوسری خامی صفحہ ۵۹ پر موجود ہے:-

"فرشتوں نے ان نگوڑوں کو چاند پر پہنچنے کیسے دیا___"

اوّل تو موضوع کی سنجیدگی ایسے تفنن آمیز طرزِ تحریر کی متحمل ہی نہیں۔ پھر اس کا کوئی منطقی جواز اس وقت ہو سکتا تھا جب آگے پیچھے کہیں عورتوں کا ذکر ہوتا۔ "نگوڑوں" کا لفظ عورتوں ہی کی مخصوص اصطلاح ہے۔ ذکر مصنف بعض مسلمان حلقوں کا کر رہے ہیں۔ پھر آخر طنز و تعریض کے لئے یہ نسوانی انداز کیونکر ان کے مذاقِ سخن نے گوارا کرلیا۔

صفحہ ۲۵۳ پر زمین کے بارے میں لکھا گیا ہے:-

"وہ گرمی وسردی کی اونچ نیچ اور اس کی تباہ کاریوں سے عاری ایک معتدل و متوازن آرام گاہ ہے۔"

معیارِ اعلیٰ سے فروتر تو یہ بھی ہے کہ گرمی اور سردی جیسے "اردو" الفاظ میں عطف صرف "واؤ" سے کیا جائے۔ "واؤ" کے بجائے "اور" کا محل تھا۔ واؤ "معتدل و متوازن" جیسے الفاظ ہی میں مناسب ہے۔

علاوہ ازیں "اونچ نیچ" کے الفاظ بھی بے محل ہیں۔ موسمی تغیرات کے لئے "اونچ نیچ" نہیں بولتے۔ مگر زیادہ نمایاں لغزش لفظ "عاری" کے استعمال میں ہوئی ہے۔ یہ لفظ تعریف و تحسین کے سیاق میں نہیں، مذمت اور ناپسندیدگی کے سیاق میں بولا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو احمق قرار دینا ہو تو کہیں گے کہ وہ عقل سے عاری ہے۔ یہ تنقیص و تقبیح ہوئی نہ کہ توصیف و منقبت۔ لیکن عقلمند ٹھیرانا ہو تو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ شخص حماقت سے عاری ہے۔ حالانکہ حماقت سے عاری ہونا عقلمند ہی ہونے کے مرادف ہے۔ اسی طرح بد اخلاق آدمی کو ان الفاظ سے یاد کیا جائے گا کہ وہ اخلاق سے عاری ہے مگر خوش اخلاق آدمی کا تعارف یوں نہیں کرایا جائے گا کہ وہ بد اخلاقی سے عاری ہے۔

جس جگہ سے مذکورہ عبارت ہم نے نقل کی وہاں مصنف کا مقصد زمین اور اس کے حیات پرور ماحول کی توصیف ہے نہ کہ تنقیص۔ لہٰذا عبارت کچھ اس طرح ہونی چاہئیے تھی:

"وہ گرم و سرد موسموں کی ناقابلِ برداشت تندیٔ اور ہلاکت خیزی سے مامون و محفوظ ہے۔"

یہ نمونے ہم نے لفظی اغلاط کے پیش کیے۔ دوسری خامی یہ ہے کہ مصنف کے اندازِ بحث میں جذباتی خروش زیادہ ہے اور وہ بردباری، تمکنت، تحمل اور معقولی انداز کم جو ان کے علمی اور ٹھوس موضوع کے لئے بے حد ضروری ہے۔ وہ کہیں کہیں پُرشکوہ الفاظ کا انبار تو لگاتے چلے جاتے ہیں مگر اس بات کی زیادہ فکر نہیں کرتے کہ جو قارئین خالص عقیدت بالقرآن کے تحت نہیں بلکہ علم منطق کے زاویے سے ان کی کتاب پڑھیں گے وہ اس طول نگاری کو محض لفظوں کا کھیل تو نہیں محسوس کریں گے۔ وہ یہ تو نہیں سوچیں گے کہ جس مدعا کے اثبات میں یہ طول بطورِ استدلال اختیار کیا گیا ہے اُسے اس طول نے کوئی بھی منطقی فائدہ نہیں پہنچایا

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ادبی نوع کا زورِ بیان یا خطیبانہ طرز کی طول نگاری سائنٹفک استدلال اور علمی

منطقی ثبوت کا بدل نہیں ہوا کرتی۔ جہاں ٹھوس برہان کی ضرورت ہو وہاں عقیدت کے رنگ میں رنگے ہوئے بھاری بھرکم الفاظ کا دریا بہانا موضوع سے ہٹ جانے کے مرادف سمجھا جائے گا۔

حیرت ہے مصنف نے ایسے خشک موضوع میں شعر و سخن کی بھی گنجائش نکال لی۔ یہ داخلِ کمال سمجھا جاتا اگر اشعار پوری طرح برمحل ہوتے مگر ہمارے ذوق کے مطابق اکثر جگہ ان کی حیثیت پیوند جیسی ہے۔ وہ پیوند جو اصل کپڑے سے مختلف رنگ رکھتا ہو۔ ہمارا ذوق اگرچہ حرفِ آخر نہیں لیکن ذوق کو اشعار کے معاملے میں بھی اگر خارج از بحث قرار دیا جائے تو "آورد" اور "آمد" کی اصطلاحیں بے کار ہو کر رہ جائیں گی۔ ذوق ہی فیصلہ کرتا ہے کہ کونسا شعر "آمد" کا مظہر ہے اور کونسا "آورد" کا۔ اسی طرح ذوقِ سلیم ہی رائے دے سکتا ہے کہ کہاں شعر کی چول نثر میں ٹھیک بیٹھی اور کہاں ڈھیلی رہ گئی۔ ہم مشورہ دیں گے کہ قرآن اور سائنس کے موضوعات پر دادِ تحقیق دیتے ہوئے اشعار کا استعمال کم سے کم کیا جائے۔ خصوصاً جب سائنٹفک استدلال کی زلفیں آراستہ کرنا اولیں مقصد ہو تو شاعری سے دور رہا جائے۔

حاصل ان معروضات کا یہ ہے کہ اچھی نثر لکھنے کے باوجود مصنف کو ابھی کافی احتیاط اور آہستہ روی کی ضرورت ہے۔ ان کا اسلوب پکنے تو لگا ہے مگر پختگی کے جملہ مراحل نہیں طے کر پایا۔ حالانکہ جس موضوع سے انھوں نے رشتہ جوڑا ہے وہ اول درجے کی پختگی کا متقاضی ہے۔

زبان و انشاء کے بعد ہم نفسِ مضامین پر اظہارِ رائے کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم "نام" ہی پر گفتگو کریں گے۔ کیا مصنف کے مجتہدانہ مزاج نے علیٰ وجہ البصیرت یہ گوارا کیا ہے کہ "تسخیر" کا لفظ عام طور پر جس بے ڈھنگے انداز اور بے محل "نعرے" کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اسی کی تقلید وہ بھی کریں اور زبان و لغت کے صریح تقاضوں کو نظر انداز کر کے صرف اتنی سی بات کو "چاند کی تسخیر" قرار دیں کہ وہاں انسانی قدم پہنچ گئے ہیں۔ تعجب در تعجب ہے کہ کسی مقام پر مجرد پہنچ جانا کسی سوچنے سمجھنے والے انسان کے نزدیک "تسخیر" کے ہم معنی کیسے قرار پا سکتا ہے۔

پروپیگنڈے کی زبان الگ ہے۔ کوہِ ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے "تسخیر" کا لفظ بولا گیا تو صریحاً غلط ہونے کے باوجود یہ اس لئے قابلِ معافی تھا کہ ہمت افزائی اور داد کے سلسلے میں مبالغہ کیا ہی جاتا ہے۔ پروپیگنڈے کا حسن دو بالا ہو گیا اور چوٹی پر پہنچنے والوں کا سینہ فخر سے پھول گیا جب یہ شور بلند ہوا کہ انھوں نے کوہِ ایورسٹ کو مسخر کر لیا ہے۔ فتح کر لیا ہے۔ جیت لیا ہے۔ سبحان اللہ۔

مگر ہمارے مصنف کے پیشِ نظر تو چاند پر پہنچنے والوں کی مدح نہیں قرآن کی مدح ہے۔ پھر آخر کس لغت کی رو سے وہ چاند پر پہنچ جانے کا نام "چاند کی تسخیر" رکھ رہے ہیں۔

اگر بات صرف نام تک رہ جاتی تو ہم خیال کرتے کہ غلطی محض بے ارادہ ہو گئی ہے۔ لیکن اس حسنِ ظن کی گنجائش نہیں رہ جاتی جب ورق الٹتے ہی صفحہ ۱۳ پر "زمزمۂ تسخیر" کا عنوان نظر آتا ہے اور اس عنوان کے ذیل میں چند وہ آیات سرمۂ چشم بنتی ہیں جن میں قرآن نے چاند سورج، دن رات اور زمین و آسمان کی تمام اشیاء کی تسخیر کا ذکر فرمایا ہے۔

فہرست مضامین سے بھی قبل اس طرح کے ایک صفحہ کا اہتمام صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآنی لفظِ تسخیر کے یکسر بے محل استعمال اور غیر واقعی تطابق کی جو لہر چلی ہوئی ہے عزیز مصنف بھی اسی کی رو میں بہہ گئے ہیں۔

پھر جب اس صفحہ پر سورۂ لقمٰن کی آیت الم تروا۔ ... کا یہ ترجمہ نظر آتا ہے کہ:۔

" اللہ نے تمھارے لئے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو تمھارے بس میں کر دیا ہے۔"

تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عزیز مصنف

غلط رُخ پر جا رہے ہیں۔

پھر وضاحت اپنی معراج کو پہنچ جاتی ہے جب صفحہ ۱۹۲ پر سورۂ جاثیہ کی آیت تسخیر کا ترجمہ یہ پڑھنے میں آتا ہے کہ:-

"اور اس نے تمھارے لئے زمین و آسمانوں (اجرامِ سماوی) میں موجود تمام چیزیں اپنی طرف سے تمھارے قبضے میں دیدی ہیں۔"

ترجمہ منھ سے بول رہا ہے کہ مصنف ایک چلی ہوئی غلطی کو صحیح باور کرانے کی غیر معمولی کوشش کر رہے ہیں خواہ اس کوشش کو میں آیاتِ قرآنی کا غلط ترجمہ کرنا پڑے۔ خدا ہی جانے یہ ترجمہ اور مفہوم کس مفسر سے مستعار لیا گیا ہے۔ یا اپنے ہی ذہن کی اُپج ہے۔ ہر حال میں ہمارے نزدیک یہ کھلی تفسیر بالرائے ہے جو بلا تکلف تحریف کے حدود میں داخل ہو گئی ہے۔

قارئین تجلّی بھولے نہ ہوں گے کہ لفظ "تسخیر" کے غلط استعمال پر ہم بارہا گرفت کر چکے ہیں۔ مجملاً بھی اور مفصلاً بھی لیکن ضروری نہیں کہ عزیز مصنف کی نظروں سے بھی ہماری یہ تحریریں گزری ہوں لہٰذا خاص طور پر ان کے لئے آج نئے سرے سے لب کشائی ضروری محسوس ہوتی ہے۔

لفظ "تسخیر" عربی کی طرح اُردو میں بھی "تابع فرمان" کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ جو چیز تابع فرمان ہو جائے اسے مسخّر کہتے ہیں خواہ وہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔ قرآن میں جتنی جگہ بھی تسخیر کا ذکر آیا ہے اسی واحد معنی میں آیا ہے اور بلا استثناء ہر مقام پر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حتیٰ کہ سورۂ ص میں جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہوا حضرت سلیمانؑ کے تابع فرمان کر دی گئی تھی، وہاں بھی اللہ نے صیغۂ متکلم استعمال کیا۔ یعنی ہم نے تابع فرمان کر دی۔ اور اسی سورۃ میں جب یہ بتایا گیا کہ حضرت سلیمانؑ کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے تب بھی صیغۂ متکلم ہی صادر فرمایا۔ یعنی پہاڑوں کو تسبیح خوانی پر مامور ہم نے کیا خود سلیمان کے کسی فن اور کسی ترکیب کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

اور پھر صیغۂ متکلم تک ہی بس نہیں۔ سورۂ انبیاء میں جب یہ بتایا گیا کہ پہاڑ اور پرندے داؤدؑ کیساتھ تسبیح خوانی کرتے تھے تو صیغۂ متکلم سَخَّرنا کے علاوہ مزید وضاحت کر دی گئی کہ وَکُنَّا فَاعِلِین (اور یہ سب کچھ ہم نے کیا) تاکہ کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ وہم نہ آئے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح خوانی کا مادّی سبب حضرت داؤدؑ کی خوش الحانی رہا ہوگا۔

اسی ایک مقام پر تسخیر کے ذیل میں یہ صراحت فرمانا کہ ہم ہی اس کے کرنے والے تھے یہ اشارہ اپنے اندر رکھتا ہے کہ فعل تسخیر کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف کرنے کا وہم و وسوسہ بھی اللہ کو پسند نہیں۔ یہاں چونکہ پہاڑوں کے ساتھ پرندوں کا بھی ذکر ہے اور پرندے ذی روح مخلوق ہیں اس لئے یہ گمان ممکن تھا کہ حضرت داؤد کی آواز سنکر پرندوں کا ہم نوائی کرنا طبعی اور فطری نتیجہ ہو حضرت داؤدؑ کی دلکش آواز کا۔ اس گمان کی بیخ کنی کرنے کے لئے تصریح کی گئی کہ وکنّا فاعلین۔ دوسرے تمام مقامات پر چونکہ صاف لفظوں میں کسی ذی روح کا تذکرہ نہیں بلکہ چاند سورج دن رات پہاڑ دریا کشتی وغیرہ کی تسخیر کا ذکر ہے اس لئے وہاں ایسے کسی گمان اور غلط فہمی کا اندیشہ نہیں تھا لہٰذا وہاں ضمیر متکلم پر اکتفا کر لیا گیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کی کسی بھی آیتِ تسخیر میں مطلق گنجائش ایسے تصور یا معنی آفرینی کی نہیں ہے جس کی رو سے عمل تسخیر کا ادنیٰ سا بھی کریڈٹ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منتقل ہو جائے۔ علاوہ اس کے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ جہاں کہیں بھی اللہ نے کسی شئے کی تسخیر کا ذکر کیا ہے وہاں قطعی طور پر مقصود اپنے کمالِ قدرت اور مخلوق پر اپنے احسانات کا اظہار ہے — اپنی بے نہایت برتری کا احساس دلانا ہے۔ اپنے معبود ہونے

کے استحقاق پر برہان پیش کرتا ہے اور مخلوق کو متوجہ کرتا ہے کہ اللہ کے بے نہایت احسانات اور کمالات کا شعور حاصل کر کے اس کے سامنے جھک جائے۔ فرماں بردار بن جائے۔ سرکشی اور تکبر کو ترک کر دے۔ عجز اور عبدیت اختیار کرے۔

ایسی صورت میں کتنی بے محل اور عقل سوز جسارت کہلائے گا یہ طرزِ عمل کہ آیاتِ تسخیر کا جوڑ انسانی کارناموں سے لگایا جائے اور ایسے مواقع پر ان کا ورد کیا جائے جہاں حمد و ثنا براہِ راست انسانوں کی نکلتی ہو نہ کہ خدائے جلّ جلالہٗ کی۔

عزیز مصنف سوچیں۔ اللہ تعالیٰ جب یہ کہتا ہے کہ ہم نے سورج اور چاند اور لیل و نہار کو تمھارے لئے مسخر کیا۔ بلکہ زمین و آسمان کی تمام ہی چیزوں کو مسخر کیا تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوتا ہے کہ ہر ہر شے اللہ کے طے فرمودہ قوانین میں جکڑی ہوئی وہی وظیفہ انجام دے رہی ہے جس سے اس کے مقصدِ وجود کی تکمیل ہوتی ہے۔ سورج اور چاند ممکن نہیں کہ معیّنہ راستوں سے ہٹ جائیں۔ پہاڑ اور سمندر ممکن نہیں کہ ان منافع کو اپنے اندر روک لیں جن کا فیضان قانونِ الٰہی کے تحت دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ دن اور رات اپنی مرضی سے آگے پیچھے اور چھوٹے بڑے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک زبردست نظم کی ڈور میں انھیں باندھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح ستارے، کہکشائیں، ابر و باد، صحرا اور سمندر، ریگ اور مٹی کوئی بھی چیز بے مہار اور خود مختار نہیں ہے بلکہ قوانینِ الٰہیہ اور احکامِ ربّانی کی تابع ہے۔ مقہور و مجبور ہے۔ پابند اور مامور ہے۔ مجال نہیں کہ سرکشی کر جائے۔

یہ ہے تسخیر کا مفہوم اور اس تسخیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت ملحوظ رکھی ہے کہ کسی بھی کُرے کی حرکت و جنبش یا کسی بھی عنصر کی شدتِ اثر زمین پر پائی جانے والی زندگی کے لئے ہلاکت و فنا کا سامان نہ بنے۔ ایسا نہ ہو کہ سورج کی آنچ نوعِ انسانی کو بھون ڈالے یا سمندر خشکی پر چڑھ دوڑیں اور پوری دنیا غرق ہو جائے۔ یا ہوا اپنا دامن سمیٹ لے اور تمام ذی روح مخلوق دم گھٹ کر مر جائے۔

یہ رعایت کیوں ملحوظ رکھی ——— قرآن بار بار اسی کو جتلاتا ہے کہ سخّر لکم۔ تسخیر کا یہ عمل ہم نے تمھاری خاطر کیا۔ تمھیں زمین پر زندگی سے بہرہ اندوز کرنا تھا اس لئے ہم نے سورج کا فاصلہ اتنا رکھا کہ نہ تو تم بھسم ہو جاؤ نہ جم کر برف بن جاؤ۔ ہوا کا دباؤ اتنا رکھا کہ نہ تو بوجھ سے تمھارا کچومر نکل جائے نہ ہلکے پن سے تمھیں نقل و حرکت کرنا دشوار ہو جائے۔ سمندروں کو ایسی حدوں کا پابند بنایا کہ ساری خشکی کو وہ لپیٹ میں نہ لے سکیں اور تم فنا کے گھاٹ نہ اُتر جاؤ۔ رات اور دن کا طول و عرض اتنا زیادہ یا اتنا کم نہیں رکھا کہ تمھارے نظامِ جسمانی کے لئے اس میں سامانِ ہلاکت ہو بلکہ اتنا موزوں رکھا جو تمھاری ساخت اور جسمانی ضرورت اور آرام و راحت کے لئے بہت ہی مناسب ہے۔ علیٰ ہٰذا تمام نوامیسِ فطرت، تمام عناصر، تمام کرّے اور اجسام اور کیمیکل اشیاء ایسے نظام میں جکڑی ہوئی ہیں کہ بنی نوعِ انسانی کی حیات اور ضروریاتِ زندگی کے راستے میں حائل نہ ہوں بلکہ ان کی ممد و معاون بنیں۔ یہی مطلب ہے لکم کا۔ یعنی اے انسانو! ہمارے اعجازِ قدرت اور احسان و عطا کا اندازہ تو کرو کہ ہم نے تمھارے لئے کیسا کیسا سامان فراہم کیا۔ کیا کیا اہتمام کیا۔ کس طرح بڑے بڑے جسموں کو، ہولناک عناصر کو ایسے قوانین کا پابند بنایا کہ تمھیں متاعِ حیات سے محروم نہ کر سکیں۔ تمھارے لئے ان کی جنبش و حرکت عذابِ جان نہ بن جائے۔ تم جل اور کچل نہ جاؤ۔

گویا آیاتِ قرآنیہ میں جس تسخیر کا ذکر ہے اس کی تمام تر نسبتِ فاعلی اللہ کی طرف ہے اور وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو آج ظہور میں آئی ہو بلکہ وہ تو آغازِ عالم سے چل رہی ہے۔ اس کا کوئی ادنیٰ تر تعلق اس سے نہیں کہ زمانہ بیل گاڑی کا

ہے یا جیٹ طیاروں کا۔ آدمی دس میل بھی فضا میں بلند نہیں ہو سکا ہے یا چاند پر جا اُترا ہے۔

اور "لکم" کا بعید تر مفہوم بھی یہ نہیں ہے کہ فلاں چیز تمھارے بس میں یا تمھارے قبضے میں دیدی بلکہ واحد اور قطعی مفہوم یہ ہے کہ ہمارا عملِ تسخیر تمھاری خاطر ہے۔ تمھیں زندگی سے مستفید کرتے رہنے کے لئے ہے۔ تمھارے حق میں احسان اور عطا ہے۔ لکم کے مخاطب اور مصداق جس درجے میں وہ ماہرینِ سائنس ہیں جنھوں نے آدمی کو چاند پر پہنچا دیا ہے ٹھیک اسی درجے میں ــ بغیر بال برابر فرق کے وہ ماضی کے لوگ بھی ہیں جو کپڑا بننا، لوہا پگھلانا اور پہیہ بنانا تک نہیں جانتے تھے۔ تسخیرِ الٰہی سے منتفع ہونے میں دونوں قطعی ایک سطح پر ہیں کیونکہ انسان کی اپنی ایجاد و اختراع اور سائنسی ترقیات کا جوڑ نہ تسخیر سے ہے نہ مقصدِ تسخیر سے۔

اس واضح، بے غبار، حتمی اور واحد مفہوم کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ جو صاحبِ عقل عام غل غپاڑے اور پروپیگنڈے سے متأثر نہ ہوا سے کسی بھی انسانی کارنامے اور سائنسی پیش رفت کے موقعہ پر قرآن کی آیاتِ تسخیر کیوں یاد آئیں گی اور کیسے وہ یہ گوارا کرے گا کہ ان آیات سے مخلوق کی تحسین و منقبت کا کام لے جب کہ یہ آیات مفہوم، منطوق اور سیاق و سباق ہر لحاظ سے فقط اور فقط خالقِ اکبر کی مدح و ثنا اور احسان و عطا کے اظہار، اعلان اور ایضاح میں نازل ہوئی ہیں۔ انسانی کارناموں کا ان سے وہ برائے نام تعلق بھی نہیں جو سوئی اور لوہے کی کان میں ہوتا ہے نہ ان آیات میں بطورِ پیش گوئی انسان کے کسی کارنامے کی خبر دی گئی ہے۔

اب ہم مزید گوشوں کی وضاحت کے لئے منصف سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ انسان کا کارنامہ اس سے زیادہ آخر ہے کیا کہ وہ چاند پر جا اترا ہے۔ وہاں سے کچھ مٹی کھود لایا ہے اور وہاں اپنی طویل رہائش کے امکانات تلاش کر رہا ہے۔

علم و فن کے اعتبار سے انسان کا یہ کارنامہ خواہ کتنا ہی قابلِ داد ہو لیکن اس کے وقوع پر قرآن کی آیاتِ تسخیر کا حوالہ دینا صاف یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کے نزدیک ان آیات میں صرف اللہ کے کمالِ تسخیر کا بیان نہیں بلکہ بندوں کی صنعتِ تسخیر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ لفظ تسخیر اپنے معروف معنی کا پابند نہیں بلکہ کسی مقام پر مجرد پہونچ جانا بھی تسخیر ہی ہے اور جس جگہ انسان کا قدم پڑ جائے اس جگہ کو بلا تکلف مسخر کہہ سکتے ہیں۔

ہم عرض کریں گے کہ اوّل تو تسخیر کے یہ معنی لینا جہاں اس لفظ کی مٹی پلید کرنا اور اس کی قدر و قیمت کھو دینا ہے وہاں لغت عرفِ عام اور زبان سب کو بالائے طاق رکھ دینے کے بھی مرادف ہے۔ دوسرے یہ غلطی نظر انداز بھی کر دی جائے اور محض جا پہنچنے ہی کو "تسخیر" مان لیں تب بھی بات کچھ بنتی نہیں۔ قرآن نے صرف سخر لکم القمر نہیں کہا بلکہ سورج اور لیل و نہار کا بھی ذکر فرمایا۔ بلکہ ما فی السمٰوات وما فی الارض بھی کہا۔ اگر آنجناب نے یہ فیصلہ کر ڈالا ہے کہ آیاتِ تسخیر میں انسان کے چاند پر پہنچ جانے کی پیش گوئی اور اشارہ موجود ہے تو لازماً یہ فیصلہ بھی آپ کو کرنا ہوگا کہ یہ آیات انسان کے سورج میں جا اترنے اور کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر واقع ستاروں کا سفر کرنے کی بھی پیشگوئی اور اشارہ اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ چاند ہی کی طرح سورج اور آسمان و زمین کی تمام چیزوں کی طرف اللہ نے تسخیر کی نسبت کی ہے۔

مگر یہ فیصلہ تو صریحاً مہمل ہوگا۔ انسان کبھی سورج میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہے یہ داخلِ ممکنات نہیں۔ کسی بھی سائنس داں نے اس کے امکان کی بحث نہیں کی۔ کوئی تصور اس کا انسانی حافظۂ خیال میں نہیں پایا جا

کیونکہ یہ بدیہی محالات میں سے ہے۔
اور کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر واقع بیکراں اور ارب ہا ارب ستاروں میں جا کودنا بھی انسان کے لئے ممکن نہیں کیونکہ وہ روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کر سکتا اور اگر کر بھی لے تو زندگی کے سو پچاس سال کروڑوں سالوں میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔
پھر یہ کیا بات ہوئی کہ پیش گوئی فقط قمر تک محدود ہو کر رہ گئی۔ وہ مقصد ذرا بھی حاصل نہ ہوا جو لفظِ تسخیر کا حلیہ بگاڑ کر حاصل کرنے کی سعی کی گئی تھی۔

اور لیل و نہار کے سلسلہ میں آپ کیا کہیں گے۔ یہ تو اجسام و اجرام اور ٹھوس ظروف نہیں کہ آدمی ان میں جا اترے اور آپ مجرد جا اترنے کو تسخیر کہہ کر اس خوش عقیدگی کا مظاہرہ کرنے لگیں کہ قرآن نے پہلے ہی اس کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ پھر کیا انسان لیل و نہار کے طبعی معمولات، ان کے فصلِ زمانی، ان کے اثرات و مضمرات میں کسی نوع کا تغیر یا تصرف کر سکا ہے یا آئندہ کر سکے گا کہ اس کی نسبت سے لفظِ تسخیر کا استعمال کیا جائے۔
آپ سورۂ لقمان والی آیتِ تسخیر کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔" تو یہ وضاحت بھی آپ ہی کے ذمے ہے کہ لیل و نہار آدمی کے بس میں کس اعتبار سے ہیں اور سورج سمیت اس بیکراں کائنات پر انسان کے بس اور قبضے کا کیا مطلب ہے جو لاتعداد ستاروں اور کہکشاؤں اور سحابیوں کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے۔
صفحہ <u>۱۹۵</u> پر آپ نے سورۂ ابراہیم کے ترجمے میں یہ تحریر کیا ہے کہ:۔

> "اور تمہارے (آرام) کی خاطر رات اور دن کو کام میں لگایا (جو تمہاری معاشی جد و جہد اور سکون و راحت کا ذریعہ ہیں)۔"

اس سے آپ کے مفروضے کو کوئی مدد نہیں ملتی۔ آپ کا مفروضہ تو یہ ہے کہ آیاتِ تسخیر میں انسانی کارناموں اور صلاحیتوں اور خلابازیوں کی بنیاد اور خبر موجود ہے۔ آپ نے انسانی بس اور قبضے اور قابو کی بات بار بار دہرائی ہے۔ مگر دن اور رات کے عرصوں میں انسان کا معاشی جد و جہد کرنا یا سکون و راحت سے فیضیاب ہونا دن اور رات پر قابو، قبضے اور بس کا مفہوم کہاں رکھتا ہے۔ یہ مقاصد تو انسان اپنی پیدائش کے یومِ اوّل سے حاصل کر رہا ہے۔ اس حصول میں اس کی اپنی کسی صلاحیت، قابلیت، فن اور کمال کا اثبات نہیں بلکہ اُس اللہ کے کمالِ قدرت اور احسانِ عطا کا اثبات ہے جس نے دن اور رات کو مناسب ترین قوانین سے باندھ رکھا ہے۔ چاند پر جا پہنچنے اور مریخ یا زحل یا کسی اور ستارے کی طرف راکٹ بھیجدینے کے سلسلے میں آیاتِ تسخیر کو یاد کرنا محض بے تکا ہی نہیں جسارتِ بیجا بھی ہے۔ آیات سے مجادلہ بھی ہے۔ آیات کا روئے سخن تمام سابق و لاحق زمانوں کے انسانوں کی طرف ہے آپ ان سے اپنے سائنسی دَور کے خلا پیماؤں اور "چاند نشینوں" کا ایک خصوصی ربط نکال رہے ہیں۔ یہ تو غضب کی دلیری ہے۔

آپ نے صفحہ <u>۱۹۳</u> پر رقم فرمایا:۔

> "تسخیر کے معنی ہیں کام میں لانا۔ تابع کرنا۔ بس میں کرنا۔ مقرر کرنا۔ رام کرنا وغیرہ۔ اس لحاظ سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کردہ کائنات اور اس کی ہر چیز انسان کے قابو میں کر دی ہے چونکہ چاند ستارے بھی اس کائنات کا حصہ ہیں اس لئے وہ بھی انسان کے قابو اور بس میں آ جاتے ہیں۔"

کیا بات ہوئی؟ ــــ برادرِ عزیز۔ آپ غور تو فرمائیں کہ آخر کہہ کیا رہے ہیں۔ مرادف انداز کے جتنے بھی معنی آپ نے تسخیر کے بیان کئے ان سب کا حاصل وہی "تابع فرمان" کرنا ہے۔ حالانکہ جو موقف آپ نے لیا ہے

اس کی رو سے تو آپ کو یہ معنی بھی بیان کرنے چاہئیں تھے کہ "کسی جگہ پہنچ جانا"۔

اگر کسی جگہ مجرد پہنچ جانا اس جگہ کو مسخر کر لینے کے ہم معنی نہیں ہے تو پھر آپ کے فکر و اجتہاد کا گھروندہ ہی گر گیا۔ آخر چاند پر پہنچنے سے زیادہ آدمی کونسا کارنامہ انجام دے سکا ہے۔ کیا اس نے چاند کا مدار بدل دیا۔ کیا اس نے چاند کی حرکت و جنبش کے قواعد میں کوئی من مانا تغیر کر دیا کیا وہ اس پوزیشن میں آ گیا کہ چاند کو اپنے کسی من چاہے رُخ پر چلا دے یا اس کے نظامِ کشش میں تصرف کر ڈالے یا اس کی ہوا سے محروم فضا میں ہوا تخلیق کر ڈالے۔

آپ گھوڑے پر بیٹھتے ہیں۔ اسے آپ کا تابعِ فرمان اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب یہ آپ کے حکم پر رُکے آپ کے اشارے پر دوڑے۔ آپ کی خواہش کے مطابق مڑے۔ اگر آپ اس کی پیٹھ پر کود تو گئے ہیں مگر اس کی رفتار، اس کے راستے، اس کے ذاتی معمول میں ذرا بھی تغیر نہیں کر سکتے۔ اسے اپنی مرضی سے دائیں بائیں نہیں چلا سکتے، اسے آہستہ یا تیز چلانا آپ کی قدرت سے باہر رہا تو آخر کون کہے گا کہ وہ آپ کا تابع فرمان ہے۔ آپ کے قابو میں ہے۔ آپ نے اسے مسخر کر لیا ہے۔

تعجب ہے کہ چاند ہی نہیں کائنات کی ہر چیز کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے انسان کے قابو میں کر دی ہے۔ حالانکہ یہ دو اور دو پانچ سے بھی زیادہ صریح الغلط ہے، واہی حد تک بے معنی ہے۔ ارض و سما کی تمام چیزیں اللہ کے زیرِ تسخیر ہیں۔ انسان کے نہیں۔ قابو یافتہ اور قابض اللہ ہے انسان نہیں۔

سائنس کے بارے میں آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ حقائق کی دریافت سے عبارت ہے اور قوانینِ فطرت سے فائدہ اٹھانا ہی سائنس دانوں کی تمام کوششوں کا لبِ لباب ہے۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ تابع خود انسان ہے اور قوانین متبوع۔ انسان کی دسترس میں یہ نہیں کہ کسی قانونِ فطرت کو معطل کر کے اپنا ایک قانون وضع کرے اور اس خودساختہ قانون کے آگے قانونِ فطرت بے بس ہو جائے۔ دو مخصوص گیسیں مل کر پانی بن جاتی ہیں — یہ قانونِ فطرت ہے۔ آدمی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اس کے حکم پر یہ گیسیں اپنا طبعی وظیفہ بدل کر دیں۔ اور انکی آمیزش سے پانی کے بجائے لوہا معرضِ وجود میں آ جائے۔ البتہ وہ کسی ایسی چیز کا سراغ لگا سکتا ہے جسے ان گیسوں میں شامل کر دینے کا نتیجہ یہ نکلے کہ پانی معرضِ وجود میں نہ آئے۔ اگر ایسی چیز اس نے دریافت کر لی تو اس کا صرف یہ مطلب ہوگا کہ اسے ایک نئے قانونِ طبعی کا پتہ چل گیا ہے یہ نہیں ہوگا کہ اس نے ایک قانونِ فطرت کو مسترد کر کے اس کی جگہ اپنا قانون چلا دیا ہے۔

جب پوست کندہ حقیقت یہ ٹھیری تو اہلِ نظر کے نزدیک تو دنیا کی کوئی بھی شے انسان کے زیرِ تسخیر نہیں اور جو مشینی کل پرزے بظاہر اس کے اشاروں پر حرکت کر رہے ہیں وہ بھی فقط مجازاً اور بادی النظر میں مسخر کہے جا سکتے ہیں حقیقتاً اور اصلاً نہیں۔ آدمی قوانینِ فطرت کا اتباع کر کے مادّی ترقی کر رہا ہے۔ اس کی ہر ایجاد ان قوانین کی پیروی سے عبارت ہے۔ جب بھی پیروی میں اس سے بھول چوک ہوئی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سمندر یا پہاڑ یا چاند سورج یا فضا اور خلا اس کے مسخرات میں سے نہیں ہیں۔ بجلی اور بھاپ اور گیس اور ریڈیائی لہریں اور تابکاری اور پٹرول اور کسی بھی قسم کا ایندھن اس کے کام ضرور آ سکتا ہے مگر مسخر اور تابعِ فرمان بن کر نہیں بلکہ اپنے طبعی اثرات و خواص کی اٹل حیثیت منوا کر اور متبوع بن کر — وہ ان میں سے کسی شے پر حکمرانی نہیں کر سکتا بلکہ ان احکام کی پابندی پر مجبور ہے جنھیں اللہ نے ان اشیاء کی عین وضع اور سرشت میں سمو دیا ہے۔ ریل بظاہر ڈرائیور کے اشاروں پر چل اور رُک رہی ہے۔ لیکن بھاپ اور برق کا دیو ڈرائیور کا مطیع نہیں بلکہ ان قوانین کا مطیع ہے جنھیں اللہ نے جاری کیا ہے۔ انسان نے یہ قوانین دریافت کیے

اوران سے فائدہ اٹھانے کی خاطر کل پرزے بنائے۔ اس طرح ریل چل نکلی۔ ڈرائیور جس پرزے کو بھی حرکت دے گا اسکا ثمرہ وہی نکلے گا جو قانونِ فطرت کی طبیعت کا اقتضاء ہے۔

تاہم اس صورتِ حال کو مجازاً اور ظاہراً انسانی تسخیر کے دائرے میں لے بھی لیں تو یہ دائرہ صرف ایجادات تک محدود رہتا ہے وہ چیزیں اس کے حلقے میں نہیں آتیں جو براہِ راست خدا کی تخلیق ہیں اور کائنات کا حصّہ شمار ہوتی ہیں۔ جیسے چاند سورج۔ ستارے۔ سمندر۔ زمین۔ پہاڑ وغیرہ۔ ان اشیاء سے انسان کا تعلق بس اتنا ہے کہ قوانینِ فطرت کی پیروی کرتے ہوئے ان سے کچھ فائدے اٹھالے۔ یہ فائدہ اٹھانا اس لئے نہیں ہے کہ یہ اشیاء اس کی مسخّر ہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یومِ اوّل سے ایسے انداز میں بنایا ہے کہ انسان فائدہ اٹھاسکے۔ ہر دور کا انسان اپنی اپنی صلاحیت کیمطابق فائدہ اٹھائے گا مگر اس انتفاع کو تسخیر نہیں کہیں گے۔ نہ یہ دعویٰ کرسکیں گے کہ دیکھئے آدمی وہ کارنامے انجام دے رہا ہے جن کی اشاراتی خبر قرآن کی آیات تسخیر میں دی گئی تھی۔

ہم نے اپنا مافی الضمیر شرح و بسط سے واضح کردیا۔ انشاء اللہ آگے مزید اُمور پر گفتگو کی جائے گی۔

اسلامی تعلیمات

- مصنفہ:- مولانا محمد سلیمان فرخ آبادی۔
- شائع کردہ:- مکتبہ الحسنات۔ رام پور یو۔پی۔
- صفحات ۱۵۲ قیمت مجلّد دو روپے ۲۵ پیسے۔

اس کتاب کے چودہ ابواب میں خدا کے آخری دین کو خالص اور بے میل صورت میں پیش کرتے ہوئے اس کے امتیازی گوشوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ طرزِ استدلال میں عقل اور نقل دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اسلام ہی کو واحد دینِ حق ثابت کرنے کے سلسلے میں مصنف نے جذبات، خیالات اور واقعات کا ایک دلنشیں مرکب قارئین کو دیا ہے۔ ہر مسلمان اس سے لطف اندوز اور مستفید ہوسکتا ہے۔

لیکن غیر مسلموں کے لئے یہ شاید اتنی پُرکشش اور تسلّی بخش نہ ہو جب کہ کتاب کے "ابتدائیہ" میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ جن مضامین پر یہ کتاب مشتمل ہے ان کے حوالۂ قلم کئے جانے کا محرک کسی غیر مسلم طالبِ حق کی فرمائش ہی تھی۔

اسلام کے تاریخی کردار کی تصویر کشی میں خالی بیانیہ انداز مشکل ہی سے کسی غیر مسلم کے دل و دماغ میں گھر کرسکتا ہے جب کہ وہ اسناد اور حوالوں سے تہی دامن ہو۔

تاہم بحیثیت مجموعی کتاب اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہے۔

تعلیماتِ نبویؐ

- مصنفہ:- مولانا محمد سلیمان فرخ آبادی۔
- شائع کردہ:- مکتبہ الحسنات رام پور (یو۔پی)
- صفحات ۱۶۰۔ قیمت مجلّد دو روپے ۷۵ پیسے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہر امتی اپنے اپنے انداز میں فائدہ اُٹھاتا ہے۔ کسی کو انفرادی اصلاح درکار ہے۔ کسی کو انقلابی حرکت و عمل کا پیغام مطلوب ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں سبھی کیلئے کارآمد ساز و سامان مہیا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انکی زبان میں سوز و اثر ہے۔ درد مندی اور غمخواری ہے۔ حسن و دل کشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا تصنیفی ہدیہ قبول فرمائے۔

لفظ "بدعت" کے استعمال میں انھوں نے احتیاط نہیں برتی۔ "بدعت" کا لفظ جب دینی گفتگو کے دوران بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اُن اُمور پر ہوتا ہے جنھیں ان کے فاعلین کارِ ثواب گمان کرتے ہوں۔ جب کہ

شریعت سے ان کا کارِ ثواب ہونا ثابت نہ ہو — سو ہے وہ نئے اُمور جنھیں کارِ ثواب سمجھے بغیر دوسرے اغراض سے اختیار کیا جاتا ہے ان پر "بدعت" کا اطلاق نہیں ہوتا۔ صفحہ ۴۵ کے دوسرے پیرا گراف سے کچھ ایسا تاثر ملتا ہے کہ مصنف ان نئے طریقوں کو بھی "بدعت" ہی قرار دے رہے ہیں جو معاشرت، سیاست اور تجارت میں اختیار کئے گئے ہیں۔

ایسے نئے طریقے اگر شریعت سے متصادم نہ ہوں تو مباح کہلائیں گے اور متصادم ہوں تو گناہ۔ بدعت کا عنوان ان پر چسپاں نہ ہوگا۔

"بدعت سے گریز" کے باب میں یہ بھی مناسب ہوتا کہ مصنف رائج الوقت بدعتوں میں سے بعض کی صریح نشاندہی کر دیتے۔ بدعتوں کے رسیا عموماً کم عقل ہوتے ہیں۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ صرف اصولی بحثوں کی روشنی میں وہ بدعات کو پہچان لینگے خوش فہمی ہوگی۔ ضرورت تھی کہ نمونے کی چند بدعتوں کے نام لئے جاتے اور پھر قرآن و حدیث سے ان کا بدعت ہونا ثابت کیا جاتا۔

تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب بعض جزئی اصلاحوں کی گنجائش رکھنے کے باوجود لائق تحسین ہے اور اپنے مصنف کی دردمندی اور حق پسندی کا گہرا احساس دلاتی ہے۔

سرمہ
دُرِ نجف
بے شمار لوگ روزانہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ بینائی کا محافظ ہے
اور لگتا بالکل نہیں ہے
ایک تولہ .... سات روپے
چھ ماشہ .... چار روپے
ڈاک خرچ۔ ڈھائی روپے
دائرۃ الفیض رحمانی۔ دیوبند (یو۔پی)

دواخانہ دارالشفا قدیمی امروہہ
H · D · Q
AMROHA

اگر پیشاب میں شکر خارج ہو رہی ہے یا کثرت سے پیشاب آتا ہے تو اپنا حال لکھ کر مشورہ اور مذکورہ امراض سے متعلق

کتابچہ

ذیابیطس شکری

مفت حاصل کریں

اس کتابچہ میں دونوں امراض کے اسباب، علامات، صحیح طریقۂ علاج، غذا، پرہیز اور کارآمد ہدایات درج ہیں۔ معالجین خصوصی توجہ کریں۔ آسان اُردو زبان میں ذیابیطس پر نہایت کارآمد اور قابل قدر کتابچہ ہے۔
(جواب طلب اُمور کیلئے لفافہ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے)

حکیم مہتاب الدین ہاشمی (رجسٹرڈ پریکٹیشنر)
ہاشمی دواخانہ دارالشفا قدیمی
امروہہ (یو۔پی)

مسند امام اعظم رح
یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ فقہ حنفی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنا گہرا اور بنیادی ربط ہے ۵۲۲، احادیث کا ذخیرہ فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے جس سے ہر خاص و عام کو مطلوبہ مسائل دیکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ کتاب کے آغاز میں مولانا عبد الرشید نعمانی کا لاجواب مقدمہ بھی ہے اور قاری احمد کے قلم سے امام ابو حنیفہ رح کے حالات بھی ایک کالم میں عربی مع اعراب اور دوسرے کالم میں اردو ترجمہ۔ مجلد ۱۲ روپے

جائزہ تراجم قرآنی
دنیا میں کب اور کس کس زبان میں قرآن کے تراجم ہوئے اسکی تحقیق و تفصیل، مترجمین اور شارحین کے نام۔ بہت عمدہ معلوماتی کتاب ہے۔ قیمت ــــ چار روپے۔

غیر سودی بینک کاری
معاشیات کے اسکالر جناب نجات اللہ صدیقی نے اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ سود کو ممنوع قرار دے کر بینکوں کا نظام کس طرح چل سکتا ہے۔ قیمت مجلد ــ چار روپے۔

فتوح الغیب
شاہ عبد القادر جیلانی رح کے وہ فرمودات جن کا مطالعہ دل و دماغ کو منور کرتا ہے۔ حقائق و اسرار اور رموز و معارف عام فہم زبان میں۔
قیمت مجلد ــــ ساڑھے تین روپے

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی رح
معارف و اسرار ہدایات و نصائح اور نکات و لطائف سے لبریز۔ خطوط اردو لباس میں۔ مطالعہ کی بہترین چیز۔ قیمت مجلد ــــ ساڑھے چار روپے۔

مولانا مودودی اور تصوف
کہا جاتا ہے کہ مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں، اس الزام کی پوست کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آپکو بتائیگی کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس کے حامی ہیں۔ مجلد ڈھائی روپے۔

الانتباہات المفیدہ
مولانا اشرف علی رح کے خامۂ زر نگار سے بعض ایسے شبہات و اعتراضات کے جوابات جو نئے دور کی پیداوار ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں
تاریخ کے مشہور اسکالر مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے اس کتاب میں بڑی تحقیق کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ مسلم حکومتوں نے علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی عظیم خدمات کے ذریعہ ہندوستان کو اقوام عالم کی صف میں عزت و رفعت کے کس مقام پر لا کھڑا کیا۔ مجلد آٹھ روپے۔

معروف و منکر
دین میں کیا چیز بھلی ہے اور کیا بری! اس موضوع پر بڑے دلآویز انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت مجلد ــــ پانچ روپے۔

زندگی کا سلیقہ
ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کیلئے مشعلِ راہ، دین اور دنیا کا سنوار۔
قیمت مجلد ــــ دو روپے تیس پیسے۔ ۲/۳۰

اختری بہشتی زیور عکسی
بہشتی زیور مختلف اداروں نے چھاپا ہے لیکن حواشی اور کتابت و طباعت وغیرہ کے اعتبار سے اختری بہشتی زیور ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہ آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔
مکمل مجلد ۲۰ روپے۔ مجلد پشتہ چرمی ۲۲ روپے

تفسیر سورۂ نور
از:- مولانا مودودی۔ اس شاہکار تفسیر میں ائمہ و اتقیاء کے بہترین اجتہادات جمع کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت کے اصول سے فروعات کا استنباط کیونکر ہوتا ہے اسلامی اخلاق کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل سورۂ نور کی یہ تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔ چار روپے

مدارج سلوک
ڈاکٹر میر ولی الدین کی مفید کتاب موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس کا مطالعہ آپکے لئے مفید ہوگا۔ قیمت ــــ ساڑھے پانچ روپے۔

تفسیر سورۂ احزاب
از- مولانا مودودی- ۳/۵۰

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

دیکھ رہا ہوں

ماہر القادری

اخلاق کا جلتا ہوا گھر دیکھ رہا ہوں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

نیکی کا تصوّر ہے کہ گرتی ہوئی دیوار
تہذیب و تمدّن کا اثر دیکھ رہا ہوں

جس باغ سے وابستہ ہیں ملّت کی اُمیدیں
اُس باغ کو بے برگ و ثمر دیکھ رہا ہوں

یاد آتی ہیں رہ رہ کے غلامی کی وہ راتیں
آزادیِ کامل کی سحر دیکھ رہا ہوں

دعویٰ ہے لٹیروں کا ہمیں راہنما ہیں
ایک ایک مسافر کی نظر دیکھ رہا ہوں

مدّت سے اُجالے کو ترستی ہیں نگاہیں
ہر سمت اندھیروں کا سفر دیکھ رہا ہوں

کجلائی ہوئی آگ دھواں چھوڑ رہی ہے
تابندگیٔ شمس و قمر دیکھ رہا ہوں

اللہ رے! غلط بخشیٔ جمہور و سیاست
ناقدریٔ اربابِ ہنر دیکھ رہا ہوں

ماحول میں یہ کیسی خطرناک چمک ہے
اُڑتے ہوئے سازش کے شرر دیکھ رہا ہوں

ظاہر میں بھی اک زخم ہے باطن میں بھی ناسور
آنکھوں کا زیاں، دل کا ضرر دیکھ رہا ہوں

اوروں کی ہیں پردے کی لکیروں پہ نگاہیں
میں ہوں کہ پسِ پردۂ در دیکھ رہا ہوں

مسعود جاوید ہاشمی

حمد

کس کو تری تلاش نہیں، جستجو نہیں — وہ کونسا مکان ہے جس میں کہ تو نہیں
تخلیق میں ہے تیرا شریک و سہیم کون — تیری ربوبیت ہے یہ ذوقِ نمو نہیں
ممنوں ہے کس کا گلشنِ ہستی ترے سوا — کس گل میں تیرا رنگ نہیں تیری بو نہیں
ہر دم ہیں بے حساب ہیں تیری عنایتیں — ساقی ترے بغیر یہ جام و سبو نہیں
اقرب ہے تو اگرچہ کہ حبل الورید سے — پھر بھی کمال یہ ہے کہ تو رو برو نہیں
سودا ترا سمائے نہ جس میں وہ سر ہی کیا — وہ دل ہی کیا کہ جس میں تری آرزو نہیں

جاوید بے نوا پہ بھی احسان ہے ترا
تفریقِ خاص و عام کبھی تیری خو نہیں

غزل

حمید اللہ افسر

یہاں کے آثار کہہ رہے ہیں یہاں کوئی قافلہ لٹا ہے
یہ راستے سے گذرنے والے ہمیں خبردار کر گئے ہیں
انھیں ہے پندارِ بے نیازی، وہ ہیں جو مستِ مئے تغافل
تو بارہا ہم بھی سامنے سے نظر ملا کر گذر گئے ہیں
نمو ہے یہ جذبۂ طلب کی، اثر ہے یہ شوقِ بندگی کا
ابھی سرِ بندگی جھکا تھا وہ نقشِ پا کچھ ابھر گئے ہیں
اب اس کی پروا نہیں ہے کشتی لگے کنارے کہ ڈوب جائے
مہیبِ طوفاں میں ہم تمہارا ہی نام لے کر اتر گئے ہیں
نہ جانے نجمِ سحر نے کیا دی خبر کہ گم صُم فضائے شب ہے
یہ کہکشاں یہ قمر یہ تارے سبھی کے چہرے اتر گئے ہیں

حقیقت عبودیت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے ایک نہایت مفید بصیرت افروز رسالے کا عام فہم اور سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت۔ ایک روپیہ ۳۵ پیسے

کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟ دنیا بھر کے علماء و فضلا کے فتوے اور فیصلے، ایک اہم کتاب جو مخالف و موافق ہر ایک کیلئے مفید اور دلچسپ ہے۔ قیمت ——— ساڑھے تین روپے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات قرونِ اولیٰ کے ان دو خاندانوں کی باہمی عداوت کو بہت شہرت حاصل ہے اور ایک مذہبی فرقے نے اسے خاص طور پر اس حد تک اچھالا ہے کہ اہلِ سنت بھی اکثر غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ یہ کتاب تحقیقی انداز میں واضح کرتی ہے کہ حقیقت یوں نہیں ہے بلکہ ان دونوں خاندانوں کے تعلقات کافی گہرے اور ذیل در ذیل رہے ہیں۔
قیمت ——— دو روپے۔

حجۃ الاسلام مکمل تصنیف مولانا قاسم صاحبؒ تشریح و تسہیل کے ساتھ صلوٰۃ و زکوٰۃ جیسے فرائض اور اہم ترین اسلامی عقائد کی حکمتیں مصلحتیں اور توجیہیں عجیب کتاب ہے۔ قیمت ——— چار روپے۔

قبلہ نما مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی معرکۃ الآرا کتاب۔ تشریح و تسہیل کے ساتھ۔ قیمت مجلّد۔ آٹھ روپے۔

انتصار الاسلام یہ بھی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تصنیف ہے۔ یہ وہ مشہور کتاب ہے جو بہت سے اہم مسائل و عقائد پر عجیب دل نشیں مواد پیش کرتی ہے۔ کلام و منطق کا گنجینہ چونکہ مولانا مغفور کی زبان مشکل ہوتی تھی اس لئے کتاب تشریح و تسہیل کے ساتھ چھاپی گئی ہے۔
اعلیٰ ایڈیشن۔ قیمت ——— تین روپے ۷۵ پیسے

براہینِ قاسمیہ یعنی جواب "ترکی بہ ترکی" مع تشریح و تسہیل۔ قیمت مجلد۔ تین روپے ۷۵ پیسے

محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے چاروں ائمہ اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام طحاویؒ کے علم و تفقہ علمی کارناموں اور اسوۂ کردار پر ایک محققانہ تالیف۔ آپ کی معلومات میں بیش بہا اضافے کا موجب بنے گی۔ قیمت مجلّد ——— ساڑھے چار روپے۔

فتاویٰ عبدالحیؒ مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ کا مشہور مجموعہ فتاویٰ ایک جلد میں مکمل نظر ثانی کے بعد۔ قیمت ——— اٹھارہ ۱۸ روپے۔

حیات ذاکر حسین مرحوم صدر جناب سید ذاکر حسین کی معروف شخصیت پر ایک معلومات افزا کتاب جس کی تالیف کا سہرا جناب خورشید مصطفےٰ رضوی کے سر ہے۔ قیمت مجلّد ——— آٹھ روپے۔

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ مولانا منظور نعمانی کی مقبول کتاب۔ اس میں وہ عام فہم زبان میں قرآنی مطالب بیان کرتے ہیں۔
قیمت مجلّد ——— پانچ روپے۔

ایک ہندوستانی صحابیؓ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی ایک دلچسپ اور چونکا دینے والی کتاب۔ قیمت صرف ——— ۸۰ پیسے۔

دین و شریعت اس قیمتی کتاب میں مولانا منظور نعمانی نے دین و شریعت کے تمام اعتقادی اور عملی گوشوں پر افادیت سے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔
قیمت ——— تین روپے ۷۵ پیسے۔

حصنِ حصین مترجم مستند احادیث سے ثابت شدہ اوراد دعاؤں اور وظیفوں کا شہرۂ آفاق مجموعہ جسے ہر دور کے علماء نے اہمیت دی ہے۔ ہر شخص کے لئے یکساں مفید۔ کتابت، طباعت اور کاغذ سب معیاری۔ قیمت مجلّد مع کور ——— ۱۴ روپے

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

قرآن اور حدیث — قرآن اور حدیث میں کیا ربط ہے؟ سنت کا مفہوم اور مقام کیا ہے؟ رسالت کسے کہتے ہیں؟ ان ہی جیسے دسیوں سوالوں کا مدلل جواب۔ مولانا مودودی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔
نیا ایڈیشن۔ مجلد مع کور ـــ دو روپے ۶۰ پیسے۔

قرآن اور تعمیر سیرت — تعلیمات قرآنی کا نچوڑ تصوف اور ادب صالح کا دلکش مجموعہ۔ ڈاکٹر میر ولی الدین کے قلم سے۔ قیمت غیر مجلد۔ چھ روپے۔

قصص القرآن — قرآن پاک کے بیان کردہ قصے جن میں عبرت، درس، خوف خدا و ناہی اور انقلابات زمانہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مؤلف ہیں:۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی۔ مکمل در چار حصہ
قیمت غیر مجلد ـــ ۳۴ روپے۔

ارواح ثلثہ — تقریباً ساڑھے چار سو حکایات پر مشتمل ایک معروف و مقبول کتاب ـــ یہ حکایات دلچسپ ہونے کے علاوہ دینی و اخلاقی اسباق سے بھی معمور ہیں۔ قیمت ـــ ساڑھے پانچ روپے۔

صدیق اکبرؓ — خلیفۂ اول کی سیرت پر اردو میں کوئی جامع کتاب ایسی نہ تھی جو مکمل ترین کہلا سکے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اس کو لکھ کر یہ کمی پوری کردی۔ قیمت ـــ نو روپے۔ مجلد دس روپے

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟ — تاریخی شہادتوں کیساتھ صحابی عورتوں کے وہ شاندار کارنامے جو تاریخ کی پیشانی پر ثبت ہو گئے۔ انداز بیان اس قدر عمدہ کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ پیش لفظ مولانا عامر عثمانی کا ہے۔ دو روپے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور انکی فقہ — اردو زبان میں پہلی بار ایک جامع اور عمدہ کتاب جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ پر لکھی گئی۔ سوانح اور حالات۔ قیمت غیر مجلد ـــ سات روپے۔

انتخاب صحاح ستہ مترجم — آٹھ سو منتخبہ احادیث کا مفید ترین مجموعہ۔ اردو مع عربی۔
قیمت مجلد ـــ سات روپے۔

انوار الباری مترجم — بخاری شریف کی اردو شرح بے پناہ محنت اور قابل تحسین تحقیق کے ساتھ جس میں افادات اکابر کا اضافہ کرکے اس کی افادیت کو اور بڑھا دیا ہے۔ الگ الگ قسطوں ہیں۔ بارہ قسطیں تیار۔
قسط ۱ اور ۱۲ فی قسط۔ ساڑھے پانچ روپے ۵/۵۰۔
قسط ۲ ـ چھ روپے۔ قسط ۳، ۴، ۵، ۷ فی قسط ساڑھے چار روپے۔ قسط ۶، ۸، ۹، ۱۰ اور ۱۱ فی قسط ـــ پانچ روپے۔

ایضاح البخاری — بخاری شریف کی اردو شرح جسے مولانا فخر الدین صاحب قلم بند فرما رہے ہیں۔ انداز نگارش عمدہ اور کتابت و طباعت بھی ٹھیک۔ یہ بھی الگ الگ قسطوں میں چھپ رہی ہے۔ اب تک تیرہ قسطیں تیار ہو چکی ہیں باقی اقساط زیر طبع۔
فی قسط ـــ ڈھائی روپے

تفہیم البخاری — جدید حواشی اور عام فہم ترجمہ کے ساتھ، اردو مع عربی۔ الگ الگ پاروں میں مکمل۔ در ۳۰ قسط۔ فی قسط ـــ ساڑھے تین روپے مکمل سیٹ لینے کی صورت میں ـــ ستر روپے۔
مجلد در چھ جلد ـــ ایک سو چھ روپے۔

مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں — مصنف کا نام ہے:۔ "مولانا ابوالاعلیٰ مودودی" کیا پھر اس کے بعد بھی تفصیل کی ضرورت ہے۔ قیمت ـــ ایک روپیہ ۱/۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی — سیرت نبویؐ پر ایک معرکۃ الآراء تصنیف۔ مصنف ہیں:۔ محقق اسلام ڈاکٹر حمید اللہ۔
قیمت مجلد مع کور ـــ آٹھ روپے۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)
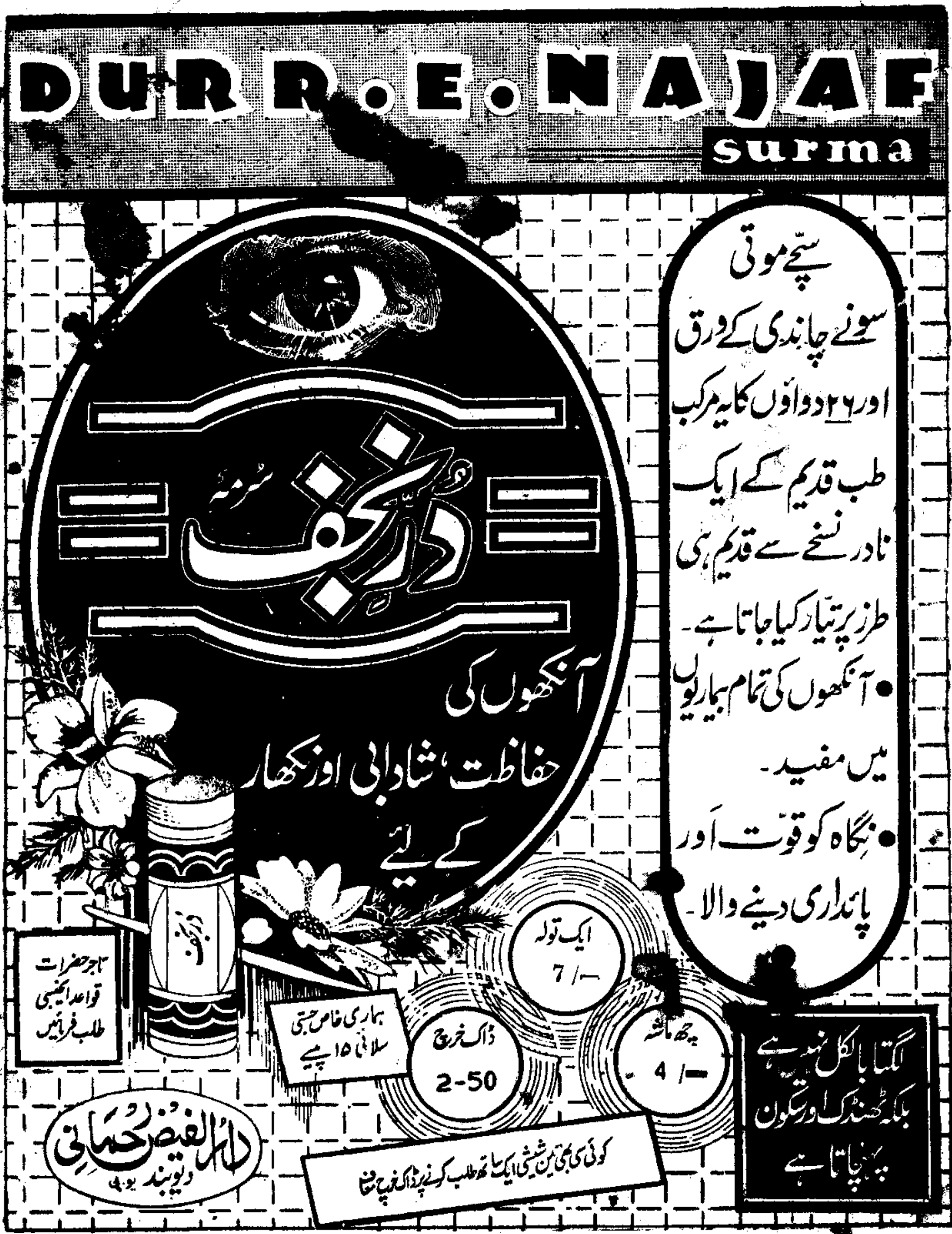
Monthly JALLY DEOBAND U.P. تجلی REGD. NO. L 972